دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق

مطبوعاتِ مؤتمر المصنفین

کتاب	نوعیت	مصنف	صفحات	قیمت
۱۔ حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی مجلد — ترتیب و تحشیہ: مولانا عبدالقیوم حقانی	افادات	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق	۵۳۶ صفحات	۱۲۵ روپے
۲۔ دعوات حق مکمل دو جلد (مجلد) — ضبط و تحریر: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۱۱۹۲	۱۲۰ روپے
۳۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ — مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۴۰۰	۴۵ روپے
۴۔ عبادات و عبدیت — مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۸۸	۸ روپے
۵۔ مسئلہ خلافت و شہادت — مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۱۰۴	۱۰ روپے
۶۔ صحبتے با اہل حق (مجلد) — ضبط و ترتیب مولانا عبدالقیوم حقانی	〃	〃 〃	۴۰۸	۷۵ روپے
۷۔ اسلام اور عصر حاضر مجلد	تصنیف	مولانا سمیع الحق	۴۶۰	۹۰ روپے
۸۔ قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	〃	〃 〃	۹۶	۷ روپے
۹۔ کاروان آخرت مجلد	〃	〃 〃	۴۴۶	۷۵ روپے
۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق حیات و سیرت (خصوصی نمبر)	〃	〃 〃		
۱۱۔ قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	〃	〃 〃	۲۰۸	۳۵ روپے
۱۲۔ قادیان سے اسرائیل تک	〃	〃 〃	۲۲۴	۳۵ روپے
۱۳۔ قومی اور ملی مسائل پر جمعیۃ کا موقف	〃	〃 〃	-	--
۱۴۔ میری علمی اور مطالعاتی زندگی مجلد	〃	〃 〃	--	-
۱۵۔ روسی الحاد	〃	〃 〃	۲۰۰	۴۵ روپے
۱۶۔ دفاع امام ابوحنیفہ مجلد	〃	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۵۲	۶۰ روپے
۱۷۔ امام اعظم ابوحنیفہ — حیرت انگیز واقعات مجلد	〃	〃 〃	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۸۔ علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات — امام ابویوسف ... جلد دوم مجلد	〃	〃 〃	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۹۔ ارباب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال (مجلد)	تصنیف	مولانا عبدالقیوم حقانی	۲۳۲ صفحات	۵۶ روپے
۲۰۔ امام اعظمؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست	〃	〃 〃	۶۴	۷ روپے
۲۱۔ خطبات حقانی (جلد اول)	〃	〃 〃	۱۲۵	۱۸ روپے
۲۲۔ کتابت اور تدوین حدیث	〃	〃 〃	۴۸	۷ روپے
۲۳۔ عہد حاضر کا چیلنج اور امت مسلمہ کے فرائض (مجلد)	〃	〃 〃	—	—
۲۴۔ مرد مومن کا مقام اور ذمہ داریاں	〃	〃 〃	۳۲	۵ روپے
۲۵۔ ساعتے با اولیاء (مجلد)	〃	〃 〃	—	—
۲۶۔ د امام اعظم حیرانکونکی واقعات (پشتو)	〃	〃 〃	—	—
۲۷۔ کشکول معرفت	〃	〃 〃	۱۱۲	۲۴ روپے
۲۸۔ الحاوی علیٰ مشکلات الطحاوی	〃	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	۲۲۴	۳۵ روپے
۲۹۔ منہاج السنن شرح جامع السنن (عربی) چار جلد	〃	شیخ الحدیث مفتی محمد فرید	---	۱۲۰ روپے
۳۰۔ برکۃ المغازی	〃	شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان	—	—
۳۱۔ اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں	افادات	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۲۴	۵ روپے
۳۲۔ ارشادات حکیم الاسلامؒ	〃	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	—	۷ روپے
۳۳۔ عقیقہ کی شرعی حیثیت	تصنیف	مولانا مفتی غلام الرحمن	۹۶	۱۳ روپے
۳۴۔ دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک	〃	〃 〃	۱۴۴	۲۴ روپے
۳۵۔ دفاع ابوہریرہؓ	〃	〃 〃	—	—
۳۶۔ افادات حلیم		مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۶	۶ روپے
۳۷۔ حیات صدر المدرسین (مولانا عبدالحلیم زروبوی)	〃	〃 〃	۵۱۲	۱۲۰ روپے
۳۸۔ فضائل و مسائل جمعہ	〃	مولانا امین الحق گستولی حقانی	۹۶	۲۴ روپے

مکمل سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

مؤتمر المصنفین ○ دارالعلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک ○ پشاور

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد — ۲۹
شمارہ — ۳
رجب — ۱۴۱۴ھ
دسمبر — ۱۹۹۳ء

ماھنامہ الحق اکوڑہ خٹک

بانی: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ
مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی
ناظم - شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۳۴۰ / ۴۳۵
کوڈ نمبر - ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۱۰۰/- روپے فی پرچہ ۱۰/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۲ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۲۲ پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

☆ جب عقل کی مت چھن جائے ....

☆ افغانستان کی خانہ جنگی، کشمیر میں ہندو سامراج کے مظالم

نئی حکومت کے آغاز کار ہی سے بدی اور شر کی تمام قوتیں حرکت و عمل کے ایک نئے دور کا آغاز کر رہی ہیں۔

قبروں پر فاتحہ خوانی، مزاروں پر چادریں چڑھانے اور ہاتھ میں تسبیح لینے کی نمائشی اور دکھلاوے کی اسلام پسندی کے اظہار سمیت دین سے منحرف، فتنہ پسند اور اسلام و پاکستان دونوں کے خلاف ایک عرصہ سے نبرد آزما سوشلسٹوں، دھرلوین کیمونسٹوں، بے دینوں، سیکولرازم کے علمبرداروں اور طبقاتی نزاع کے متوالوں نے اب کھلے بندوں بغیر کسی لومۃ لائم کے اپنے دین و مزاج نیز مقاصد سابقہ تاریخ کے مطابق قطعی نصوص و احکام کو چیلنج اور استہزاء و تضحیک کا کام شروع کر دیا ہے سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس کا مندرجہ ذیل بیان بطور مثال اور اسکے ایک نمونہ کے پیش خدمت ہے سندھ ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس وجیہہ الدین نے کہا ہے کہ دو مسلم ریاستوں پاکستان اور بنگلہ دیش میں چیف ایگزیکٹو کا عہدہ دو مسلم خواتین کے پاس ہونے کی وجہ سے اس تصور کی تردید ہو گئی ہے کہ خاتون سربراہ حکومت و مملکت بننے کی اہل نہیں ہوتی انہوں نے کہا خدائی قانون کے تحت مرد اور عورت برابر ہیں حدیثیں اور قرآنی آیتیں مرد اور عورت کے درمیان امتیاز کو مکمل طور پر مسترد کر دیتی ہیں انہوں نے کہا خدا تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں پر سبقت دی ہے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۲۵ / اکتوبر ۱۹۹۳ء)

ہمیں اس وقت اس موضوع پر بحث کرنا یا دلائل مقصود نہیں کہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح اور قطعی ہے اس کے جواب میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ جب اللہ ناراض ہوتے ہیں تو عقل کی مت چھین لیتے ہیں اس موضوع پر احقر کی ایک مفصل تحریر بھی شریک اشاعت ہے تاہم جنہوں نے نہ سمجھنے کا فیصلہ کر لیا ہو جن چمگادڑ فطرت انسانوں کی سورج کی روشنی سے آنکھیں چندھیا جاتی ہوں انہیں کس طرح منوایا جائے کہ سورج بھی روشن ہو چکا ہے اسی وقت ہمارے مخاطب وہ ہیں جو مانتے ہیں جنہیں طوفان کا رخ بھی معلوم ہے اور ہوا کا انداز بھی، مگر ہاتھی کی یلغار کے مقابلہ میں ان کا کام چیونٹی کی رفتار سے بھی کمزور ہے۔ صرف اس بیان پر اکتفا نہیں بلکہ وزیر اعظم کے آئے دن بیانات و اقدامات مثلاً اسمبلی میں عورتوں کی نشستوں سمیت ہر محکمہ میں عورتوں کی ترجیحی بنیادوں پر بھرپور بھرتی اور نمائندگی اس سلسلہ مذموم کی پیش رفت ہے ایئر ہوسٹس، ٹیلی فون اپریٹر، سٹیشن ہانگ ایری آفس،

ہسپتالوں میں مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے نرسوں کی پہلے سے ایک فوج ظفر موج مصروف خدمت ہے غیر ملکی ثقافتی وفود میں عورتوں کو نمایاں حیثیت حاصل ہے ہمارے عوام و خواص، حکام و حکمران سبھی ثقافتی مظاہروں میں شریک بھی ہوتے ہیں اور نیم عریاں جسموں کو تھرکتے دیکھ کر اظہار مسرت بھی کرتے ہیں یونیورسٹیوں کالجوں اور تعلیم گاہوں میں مخلوط نظام تعلیم اس پر مستزاد ہے سینما گھروں ویڈیو کیسٹوں اور ٹی وی پروگراموں میں مرد و زن کا اختلاط اور عورتوں کے ساتھ ترجیحی معاملات، عورتوں کی مردوں پر سبقت تسلیم کرانے کے عملی مظاہر ہیں۔

اب ذرا سر جھکا کر سوچیئے کہ جو معاشرہ مرد و زن کے اس اختلاط سے پروان چڑھ رہا ہے اس کا تعلق اس سے کس نوعیت کا ہوگا جس نے عورت پر پردہ فرض کیا ہے اسے رونقِ محفل بنانے کو حرام قرار دیا ہے اسے حکم دیا ہے کہ وہ وقار کے ساتھ گھر میں رہے جس اسلام نے مردوں اور عورتوں دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے ان پر لازم کیا ہے کہ وہ کبھی بھی خلوت میں یکجا نہ ہوں غیر محرم مرد اور عورت سفر نہ کریں عورت مرد سے اس انداز سے گفتگو نہ کرے کہ مرد کے دل میں غلط توقعات وابستہ اور خواہشات پیدا ہوں۔

علاوہ بریں اسلام کا مزاج یہ ہے کہ مسلمان کا اصل جوہر، سیرت و کردار ہے اور سیرت و کردار میں اصل اہمیت، اخلاقی اعتبار سے مرد و عورت کے دل و نگاہ کی پاکیزگی اور عفت و عصمت کے تحفظ کو حاصل ہے۔ اگر کسی شخص کی نگاہ آوارہ ہو جائے۔ اس کے دل میں غیر محرم عورت کی جانب میلان و رجحان پیدا ہو جائے اور وہ غلط راستوں کی جانب جھانکنا شروع کر دے تو یہ شخص ایمانی اور اخلاقی اعتبار سے کھوکھلا ہو جائے گا۔ اس کے بلند بانگ دعاوی جو اسلام کے بارے میں کرے گا ان کی حیثیت غبارے کی ہوا سے زیادہ نہ ہوگی اور ایسے شخص پر اعتماد کرنا اپنے آپ کو دھوکے میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔

اسلام کے یہ تصورات اور اس کی یہ تعلیمات اس قدر واضح ہیں کہ ایک جاہل، ان پڑھ، تہذیب ناآشنا دیہاتی سے بھی اگر سوال کیا جائے کہ تم عورت کی بے پردگی، اس کے رقص، اس کے مردوں سے اختلاط اور اس کے آزادانہ گھومنے پھرنے کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو تو وہ شخص ایک لمحہ تامل کے بغیر پکار اٹھے گا کہ یہ سب باتیں اسلام کے خلاف ہیں عورتوں کی مردوں پر فوقیت کا تو سوال ہی حماقت اور بدیہی و قطعی حقیقت کا استہزاء ہے۔ اور جس اسلام میں یہ باتیں روا ہیں اس اسلام کا کوئی تعلق اس دین برحق سے نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور جس کی ترجمانی کتاب و سنت کرتے ہیں۔

اب ایک جانب یہ صورت حال جس کا ایک ہلکا سا تاثر و تصور او پر پیش کیا گیا اور دوسری طرف یہ حقیقت کہ اسلام

اس صورت حال کو یکسر غلط کہا ہے اور اسے بدلنے کو اپنے مقاصد میں خصوصی اہمیت دیتا ہے اس دوگونہ اور متضاد و متصادم احوال و حقائق کے عالم میں ہماری قوم ہماری صحافت، ہماری قیادت اور ہماری حکومت کا یہ دعویٰ کہ ہم اسلام کے خلاف کام نہیں کریں گے کیا یہ کھلا ہوا فریب نہیں ہے جو ہم اپنے آپ اور اپنے جیسے دوسرے انسانوں بلکہ خاکم بدہن، خدائے ذوالجلال کو بھی دینا چاہتے ہیں۔ اگر مقصود اسلام ہے تو اسلام کی یہ سب باتیں ماننا چاہئیں یہ تو کسی بھی صاحب کردار کے لیے روا نہیں کہ وہ جس بات کو مفید سمجھے اسے اپنے کام میں لے آئے اور حریف کو اس کے سہارے شکست دے دے لیکن جب اسی بات کو وہ اپنے خلاف دیکھے تو اس سے انحراف کرے۔

عورت کا مسئلہ ایک بنیادی مسئلہ ہے اور افسوس، نہیں انتہائی اضطراب کی بات ہے کہ یہ مسئلہ نازک سے نازک تر صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے اور خطرہ ہے کہ اگر عورت کو اجتماعی زندگی میں لانے کی کوششیں اسی رفتار سے آگے بڑھتی چلی گئیں تو ہم عاد و ثمود کی طرح بدکردار ہو جائیں گے اور اس کے بعد خدا کا عذاب ہمیں وہ مزا چکھائے گا جو اس نے ہمیشہ ایسی قوموں کو چکھایا ہے جو خدائی قانون کے بعض اجزاء کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض سے انکار کر دیتے ہیں۔

کیا ہم اس انجام بد سے بچنے کی آرزو رکھتے ہیں؛ کیا ہمارے حکمران اس ہلاکت سے خود بچنے اور قوم کو بچانے کی کوئی صلاحیت رکھتے ہیں؟ اور کیا ہمارے ملک کے علماء دین اس باب میں اپنی کوئی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں؟

بہر حال شر کے علمبردار اس بار پھر سے اپنے پرانے حربوں دین و شریعت کے ساتھ استہزاء و تمسخر اور ذرائع فساد میں کچھ اضافوں کے ساتھ میدانِ عمل میں آ رہے ہیں۔ عورتوں کی مردوں کی سبقت۔

دزدے چہ دلاور است کہ بدست چراغ دارد

دین دشمن قوتوں کی واردات کا یہ انداز بظاہر دینی قوتوں کو میدان سیاست میں شکست دینے کے بعد انہیں مزید سزا دینے کے عزائم کا غماز ہے جو بظاہر دھیما لیکن بباطن سرعت سے سرگرم عمل ہیں۔

ایسے حالات میں خیر کی قوتوں کو بھی حرکت و عمل پر آمادگی کے ساتھ مثبت لائحہ عمل اپنانا چاہیئے۔

یہ سیاسی جماعت بندی یا مذہبی فرقہ واریت کی بات ہرگز نہیں کہ یہ دونوں محل نظر ہیں ان دونوں سمیت برادری سسٹم، علاقائی تعصبات، طبقاتی تقسیم، گروہی یا شخصی مفادات اسی کا نتیجہ امت کا تفرق و تشتت ہے جو اس کی پریشانی حالی، ذلت و ادبار، دشمنوں پر کے اس پر غلبے اور اہم ترین مقاصد کے حصول اور عزائم کی تکمیل میں ناکامی کا باعث ہے۔

مگر ہم چونکہ دوسری بہت سی کمزوریوں کے ساتھ ساتھ حالات کی شدت، ضعفِ ایمان اور سختی جھیلنے سے گریز کی شعوری اور غیر شعوری دونوں قسم کی کمزوریوں کا شکار ہیں لہٰذا امت جیسی بھی ہے اور ہم جس قسم کے

زاق وتشتت کا شکار ہیں اسی کے ساتھ ساتھ اگر خیر و بھلائی کی علمبردار دین پسند قوتیں ایک مضبوط اور مستحکم لائحہ
ے اپنالیں تو یہ عنداللہ سرخروئی اور دینی اور اسلامی ذمہ داری اور مسئولیت سے عہدہ برآ ہونے کا ذریعہ ہوگا جو حکومت
بت تمام بے دین قوتوں اور خلاف اسلام حرکتوں کا نوٹس لے ان کے مفسدانہ عزائم و اعمال کا سدباب کرے
ر آخر کار اگر ان کے "حصول اقتدار" کے پروگرام کو ناکام بنا کر خود زمام اقتدار اپنے ہاتھ نہ بھی لے سکے تو کم از
کفر وظلمت کی یلغار کے خلاف ایک مضبوط بند تو باندھ سکے کہ ایسا کرنا وقت کا ایک ناگزیر تقاضا ہے اور یہ ممکن
ہے کہ موجودہ اور رواں "شر" کو طوفان بننے کے خوفناک فتنے سے بچایا جا سکے ۔

---

۱۴ سالہ افغان جہاد کا انجام غیر متوقع طور ایک طویل خانہ جنگی کی صورت میں ڈھلتا جا رہا ہے یہ خانہ جنگی فی الحال کابل سروبی یا ننگاڑ تک محدود ہے لیکن اگر خدانخواستہ، اس پر جلد قابو نہ پایا گیا تو یہ پورے افغانستان کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے افغانیوں نے ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء سے روسی فوجوں کی واپسی تک غیر ملکی جارحیت کے خلاف جس اتحاد جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا پوری دنیا اس کی معترف ہے وسطی ایشیاء اور مشرقی یورپ کے ممالک کی آزادی بھی انہی کی ضرب کاری کا نتیجہ ہے یہ بجا ہے کہ افغان قیادت کے اختلافات اور خانہ جنگیوں میں غیر ملکی ایجنسیوں کی سازشیں شامل ہیں مگر وہ رہنما جنہوں نے سوویت یونین جیسی سپر پاور کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے کیا وہ ان سازشوں کو نہیں سمجھتے وہ سب کچھ جانتے ہیں کہ امریکہ بھارت اسرائیل اور روس کوئی بھی کابل پر مجاہدین کی حکومت کو پسند نہیں کرتا اور بیرونی طاقتیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مجاہدین کے اختلافات کے ذریعہ ہی کامیاب ہو سکتی ہیں مگر اس کے باوجود افغان قیادت نے جس حکمت و تدبر اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ روس کے خلاف جہاد میں کیا تھا اب اس کا عشر عشیر بھی ان میں نظر نہیں آ رہا۔ کابل، ننگاڑ اور سروبی کی خانہ جنگیوں نے جو صورت حال اختیار کر لی ہے اس سے دنیا بھر کے مخلص مجاہدین اور ان کے حامیوں کے سر شرم سے جھک گئے ہیں حیرت تو اس بات پر ہے کہ کشمیر میں بھارتی اور بوسنیا میں سربین مظالم کی مذمت کس طرح کی جائے جب افغانستان میں اپنے ہی اپنوں کا گلا کاٹ رہے ہوں تو غیروں کے مظالم پر کس منہ سے احتجاج کیا جائے افغان رہنماؤں کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ملت اسلامیہ نے بارہ سال تک ان کے دکھ بانٹے ہیں پاکستان نے چودہ سال تک قربانی دی ہے آج وہ ہوس اقتدار اور انا پرستی میں کسی کی بات بھی سننے کے لیے تیار نہیں ۱۲ سالہ جہاد کے نتائج کو سبوتاژ کرتے ہوئے ان میں سے کسی کو بھی رنج نہیں ہو رہا، لاکھوں شہداء ملت اسلامیہ اور پاکستان کے احساسات کا بھی ان میں سے کسی کو احساس نہیں کاش! یہ لوگ ہوش سے کام لیتے فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلا قرآنی نصوص کے مطابق قرآن وسنت کے فیصلوں کو مان جاتے مل بیٹھ کر اختلافی

امور طے کرتے تباہ شدہ افغانستان کو تعمیر کرتے خانہ جنگی کے بجائے تعمیر نو کے لیے ایک دوسرے کے دست و بازو بنتے دشمنوں کی سازشوں کو سمجھتے مگر افسوس کہ ان رہنماؤں کی ہوس اقتدار نے ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو مایوس کیا ہے ایسے حالات میں بحمد للہ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق اپنے فرض سے غافل نہیں دارالعلوم نے اپنے روحانی ابناء فضلاء اور مشائخ کے ذریعہ اپنے وسائل کی حد تک باہمی اعتماد کی فضا اور خانہ جنگی کے خاتمہ میں اپنی مقدور بھر مساعی تیز کر دی ہیں علماء و مشائخ اور مجاہدین کی مؤثر قوتوں سے رابطہ، مشاورت اور ممکنہ اقدامات کے لیے ہمہ پہلو سوچا جا رہا ہے۔

ایسے حالات میں اللہ ہی کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا و التجاء کی جا سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور دارالعلوم کے اکابر و جملہ عالم اسلام کے بہی خواہوں کی ان کاوشوں کو کامیاب فرما دے۔

ہندو سامراج نے ایک بار پھر ۲۶ نومبر ہفتے کے روز کشمیر میں قتل و استبداد، غارت گری، آتشزنی اور جبر و تشدد کا ایک اور بھیانک باب رقم کر دیا ہے بھارتی سیکورٹی فورسز نے سوپور میں داخل ہو کر ایک لاکھ بے گناہ شہریوں کو کھلے میدانوں میں جمع کیا مقامی باشندوں اور مجاہدین نے مزاحمت کی تو کم از کم دو سو بے گناہ مسلمان شہید کر دیئے گئے جو نہتے اور غیر مسلح تھے یوں تو بھارتی افواج نے حالیہ مہینوں میں ایک روز کے لیے بھی اپنی بربریت اور دہشت گردی معطل نہیں کی مگر درگاہ حضرت بل کے بعد سوپور کا تازہ سانحہ ان کے شرمناک ریکارڈ میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ ہے بعض ممالک کی مساعی سے پاک بھارت کی مذاکرات کی بحالی اور پاکستان کے خیر سگالی کے طور پر اقوام متحدہ کی متعلقہ کمیٹیوں سے اس قرارداد (جس میں مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا نوٹس لینے کے لیے ایک حقائق معلوم کرنے والے کمیشن کے بھیجنے کا مطالبہ کیا گیا تھا) کی واپسی کے باوصف بھارت کی اس قدر درندگی و بہیمیت اور مظالم اس کے خطرناک عزائم کی نشاندھی کرتے ہیں جنوری ۹۴ء میں شروع ہونے والے پاک بھارت مذاکرات بھی بھارت کی سیاسی چال کا ایک حصہ ہیں وہ مکر و فریب اور دجل تلبیس کی ان چالوں سے جہاد آزادی کے ثمرات کو سبوتاژ کرنا چاہتا ہے پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر بھرپور کام کر کے بھارت پر یہ دباؤ ڈالنا چاہیے مذاکرات سے قبل یہ شرط منوانی چاہیئے کہ بھارت کشمیری مسلمانوں کا مزید قتل عام روک دے اور بے گناہ شہریوں کو گولیوں کا نشانہ بنانے سے گریز کرے اگر اتنی بات بھی نہیں منوائی جا سکتی تو بھارت سے مذاکرات بے سود اور ایک خسارے کا سودا ہو گا۔

(عبدالقیوم حقانی)

مولانا عبدالقیوم حقانی

عورت کی امارت کا مسئلہ

اپنے ایک بزرگ سے بچپن میں ایک جملہ سنا تھا الفاظ تو یاد رہ گئے تھے مگر اس کا صحیح مصداق اور مؤثر تعبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی یا وہ ایک واقعاتی حقیقت بن کر مشاہدہ میں نہیں آیا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ

''ہمارے دینی حلقوں کو یہ بات خصوصیت سے نوٹ کر لینی چاہیئے کہ جب سیاسی مصلحتوں کے تحت خاموشیاں اختیار کر لی جاتی ہیں تو بعض اوقات وہ ایسے حالات پیدا کر دیتی ہیں کہ زبانیں ہمیشہ کے لیے گنگ ہو جاتی ہیں مگر خدا تعالیٰ اپنی شریعت کے بارے میں بڑا غیور ہے۔''

مسلمانوں پر عورت کی حکمرانی دین کے قطعی اور مسلمہ اصولوں قرآن وسنت کی تعلیمات اور نبوی ہدایات کی روشنی میں قطعاً ناجائز ہے۔ مگر گزشتہ کئی سالوں سے سیاست کے جنون میں مذہبی اقدار اور مذہبی تعلیمات کو ہی بازیچۂ اطفال بنا دیا گیا ہے اور اب تو اہل دین کی اکثریت بھی سیاسی مصالح ہی کے تحت اس قطعی منکر سے اغماض کی پالیسی اختیار کرتی چلی جارہی ہے۔ مگر یاد رہے کہ جس طرح بے دین سیاست دانوں مفاد پرست حکمرانوں کے تمام ناجائز وطیرے اور ظالمانہ ہتھکنڈے خدا کے نزدیک جرم قرار پائیں گے اسی طرح اہل دین کی سیاسی مصلحت آمیز خاموشی اور مفاد پرستانہ سکوت واغماض بھی اللہ کے ہاں جرم ٹھہرے گا۔

مذہبی بے ضمیری کا یہ عالم ہے کہ جو لوگ کل تک گلی گلی میں لوگوں کو پیغمبرؐ کا یہ قول سناتے پھر رہے تھے کہ عورت کی حکومت میں جینے سے زیر زمین دفن ہو جانا بہتر ہے وہی محترمہ بے نظیر کا جھنڈا اٹھائے اور ان کا نعرہ لگاتے پھرتے نظر آرہے ہیں اور بے شرمی کا یہ عالم ہے کہ اسی کو اقامت دین، اسی کو انقلاب مصطفیٰؐ اور اسی کو اسلامی سیاست کا جہاد قرار دے رہے ہیں۔

قرآن وسنت کی تعلیم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے سامنے سیاسی امامت وامارت اور سیاسی قیادت کے لیے انتخاب کا سوال آئے تو وہ بحالتِ مجبوری بھی ایک فاسق مسلمان مرد کا انتخاب تو کر سکتے ہیں لیکن ایک عورت کا انتخاب نہیں کر سکتے، اگرچہ زاہدہ، عابدہ اور عالمہ ہی کیوں نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تمہارے اوپر ایک نکٹا حبشی بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کرنا مگر یہ نہیں فرمایا کہ اگر ایک عورت بھی تمہاری امیر بن جائے اس کی اطاعت کرنا۔

ملک میں اسلام کا حلیہ بگاڑنے والوں کا ایک گروہ تو جدید تعلیم کی بدولت بہت پہلے پیدا ہو چکا ہے اور اس کی کوششوں سے مذہب کے خلاف آئے دن نت نئے فتنے اٹھتے ہی رہتے تھے مگر جب سے دین سے منسوب ہمارے بعض سیاست بازوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے تو انہوں نے تحریف مذہب کے لیے ایسے ایسے کارنامے سرانجام دینا شروع کر دیئے ہیں کہ دوسرے تمام شاطروں کو انہوں نے مات دے دی ہے۔ مغرب زدہ طبقہ جو تحریف کرتا ہے وہ ہے تو دین اسلام کے خلاف سازش ہی سازش مگر ایک پہلو اس کا غنیمت ہے کہ اس سے تحریف کے لیے کسی مستقل فتنے کی بنیاد نہیں پڑتی مگر ان لوگوں نے تحریف کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ تحریف بھی کرتے ہیں اور تحریف کے ساتھ ساتھ اس کے مستقل اصول بھی وضع کر دیتے ہیں تاکہ اس سے برابر انڈے بچے پیدا ہوتے رہیں۔ ان لوگوں کے سیاسی اغراض میں جب قرآن وسنت کے قطعی نصوص مزاحم ہو رہے ہیں تو اس کے لیے انہوں نے جھٹ سے ایک اصول گھڑ لیا کہ۔

"دین میں جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں وہ تو دو قسم کی ہیں ایک تو وہ ہیں جن کی حرمت ابدی اور قطعی ہے ان کی حرمت کسی حالت میں بھی حلت سے نہیں بدلی جا سکتی دوسری وہ ہیں جن کی حرمت شدید ضرورت کی حالت میں حلت سے تبدیل ہو جایا کرتی ہے اس اصول کے تحت اُن کے نزدیک یہ بات بالکل جائز ہے کہ جب ان کو شدید ضرورت پیش آ جائے وہ دین کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے (جن کی حرمت وہ خود تسلیم اور اس سلسلے کے قطعی نصوص کا اقرار بھی کرتے ہیں) کسی چیز کو جائز قرار دے لیا کریں۔"

یہ اصول ان لوگوں کو پاکستان کی وزیراعظم بے نظیر بھٹو، بنگلہ دیش کی وزیراعظم خالدہ ضیاء اور ترکی کی وزیراعظم کی سربراہی اور سیاسی قیادت کے جواز کے لیے گھڑنا پڑا۔

قرآن وسنت نے حرمتوں کے درمیان نہ تو ابدی اور غیر ابدی، قطعی اور غیر قطعی کے قسم کی کوئی تفریق کی ہے نہ "شدید ضرورت" کے تحت کسی حرمت کے حلت میں تبدیل ہو جانے کا فتویٰ دیا ہے یہ دونوں باتیں ان حضرات کے ذہن کی اپنی ایجاد ہیں اور مقصود ان کی ایجاد سے شریعت کی ان پابندیوں سے پیچھا چھڑانا ہے جو قرآن وسنت کی واضح نصوص اور قطعی ہدایات ہیں مگر سیاسی حوصلوں اور سیاسی مقاصد کے حصول کی جدوجہد کے ساتھ اب عملاً ان کو نباہنا اُن کے لیے ممکن نہیں رہا ــــ قرآن وسنت میں تو واضح کر دیا گیا ہے کہ ہر حرام سے بچو، البتہ اگر در اکراہ یا اضطرار کی حالت پیش آ جائے تو اس صورت میں آدمی کو اس بات کی رخصت ہے کہ وہ کسی حرام سے فائدہ اٹھائے بشرطیکہ نہ تو اس حرام کا خواہشمند ہو اور نہ اس حد سے آگے بڑھے جو رفع ضرورت کے لیے ناگزیر ہے۔

دینی علوم جاننے والے ادنیٰ طالب علم بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ اکراہ یا اضطرار کے کے معنیٰ "شدید ضرورت" کے نہیں ہیں شدید ضرورت تو آدمی کو سردیوں میں گرم چادر کی اگرمیوں میں برف کی غریب کو روپے کی اور خوشحال کو کوٹھی

اور کار کی پیش آتی رہتی ہے مگر یہ ضرورتیں اس اضطرار میں داخل نہیں ہیں جس میں شریعت نے کسی حرام سے فائدہ اٹھا لینے کی اجازت دی ہے۔ اکراہ یا اضطرار کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کو بے بسی کی ایسی حالت پیش آجائے کہ دو حرام چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے سوا کوئی اور مفر باقی ہی نہ رہ جائے اس صورت میں شریعت بلاشبہ اس بات کی رخصت دیتی ہے کہ آدمی دونوں حراموں میں سے اس حرام سے فائدہ اٹھائے جو نسبتاً اور مقابلۃً اہون ہے مگر حرام اور حرام کے درمیان یہ امتیاز ابدی اور غیر ابدی یا قطعی اور غیر قطعی کی تقسیم کی بنا پر نہیں ہے اگر ان کے زعم باطل کے مطابق شریعت کی کوئی حرمت "شدید ضرورت" کی حالت میں "حلت" میں تبدیل ہوجاتی ہے تو پھر قرآن کو غیر باغ ولا عاد کی شرط لگانے کی کیا ضرورت تھی، حرمت حلت میں تبدیل نہیں ہوجاتی وہ بدستور باقی رہتی ہے البتہ بقدر سدِ رمق اس سے جان بچا لینے کی رخصت حاصل ہوجاتی ہے یہ رخصت بہرحال رخصت ہے عزیمت نہیں ہے اس وجہ سے اگر کوئی شخص اضطرار میں کسی حرام سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو فائدہ اٹھائے لیکن اس کو بہر حال یہ حق نہیں حاصل ہوجاتا کہ وہ اس حرام کو حلال قرار دے کر ساری دنیا کو دعوت دینا شروع کردے کہ آؤ لوگو! سیاسی اضطرار پیش آگیا ہے لہٰذا اب حرام حلال ہوگیا ہے اس کا تعاون کرو اس کو برقرار رکھو اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اضطرار بھی کوئی ایسی حالت نہیں ہے جو خود اپنے دونوں سے اپنے اوپر مسلط کردی جائے۔

اضطرار اور اکراہ کو "شرعی ضرورت" سے تعبیر کرنا محض تعبیر کی عامیانہ اور جاہلانہ غلطی نہیں ہے بلکہ اسلامی شریعت کے خلاف یہ دیدہ دانستہ ایک ایسی شرارت ہے اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ فتنہ بن کر پورے شرعی نظام کی بیخ کنی کرسکتی ہے آج ہمارے ملک میں جتنے بھی کام خلاف شریعت ہورہے ہیں ان سب کے جواز کی دلیل اس فرسودہ اصول سے فراہم ہوسکتی ہے، آئندہ جس حرمت کا بھی دروازہ کھولنا ہو اس کے لیے یہ کنجی بے خطا ثابت ہوگی۔

ہم یہاں تھوڑی دیر کے لیے اس واضح ترین فرق کو بھی نظر انداز کردیتے ہیں جو "شدید ضرورت" اور "اکراہ و اضطرار" کے درمیان ہے ہم یہ بھی فرض کرلیتے ہیں کہ ان حضرات نے شدید ضرورت سے اکراہ و اضطرار ہی کو مراد لیا ہے یہ فرض کرکے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جناب! موجودہ حالات میں آخر وہ کیا اضطرار لاحق ہوا کہ شریعت کی ایک قطعی حرمت کو حلت میں تبدیل کرنا پڑا اگر آپ کی شدید سیاسی ضرورت بھی تھی تو حرمت کو حرمت رہنے دیتے منکر کو منکر قرار دیتے مگر حرمت کو حلت سے تبدیل کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا ہے، اگر پیپلز پارٹی ایک عورت کی صدارت امارت اور قیادت کا فیصلہ کرلیتی ہے تو کیا ان کا یہ فعل کوئی شرعی حجت بن سکتا ہے پھر آپ کو کیا ہوا جناب! کہ عورت کی حکمرانی اور قیادت کی حرمت کو حلت میں تبدیل کرنا پڑا ——— اگر یہ اضطرار ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ مروجہ سیاست میں حصہ اور اس کے شرعی ممنوعات سے استفادہ بھی آپ کے نزدیک ایک ایسے وجوب شرعی کی حیثیت رکھتا ہے جس سے محروم ہونے کے مقابل میں شریعت کے ایک قطعی حرام کو حلت میں تبدیل کردینا اہون ہے۔

کیا خاتون کی حکمرانی کے جواز کے قائلین کا موقف یہی ہے؟ اگر یہ موقف نہیں ہے اور ایک مسلمان کا یہ موقف نہیں ہونا چاہیئے تو پھر از روئے شرع یہ وہ اضطرار نہیں ہوا جو کسی حرام کو آپ کے لیے جائز قرار دے دے۔

ایک اضطرار یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پی پی پی سمیت ملک کی سیاسی جماعتوں کے اندر سرے سے کوئی مرد ہے ہی نہیں اس وجہ سے عورت کے انتخاب اور اس کی سیاسی قیادت پر مجبور ہونا پڑا ہو، تو اس اضطرار کے تحت جس کے تحت بے نظیر صاحبہ کو گوارا کر لیا، پی پی پی ہی کے کسی مرد فاروق لغاری سے لے کر آصف زرداری تک کو گوارا کر لیتے آخر وہ گنہگار ہی ہیں کافر تو نہیں ہیں؟

اگر کسی کو ایسی مجبوری پیش آجائے کہ اس کے سوا چارہ نہ ہو کہ ایک عالمہ، عابدہ و زاہدہ عورت کی اقتداء میں نماز ادا کرے یا ایک گنہگار مسلمان مرد کی تو آخر وہ کیا کرے گا؟ عابدہ، زاہدہ عورت کو امام بنائے گا یا گنہگار مرد کو؟ اسلامی شریعت کی رو سے بے نظیر بھٹو تو درکنار حضرت رابعہ بصریہؒ کے پیچھے بھی ایک مرد کی نماز نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایک فاسق مسلمان مرد کے پیچھے ہو سکتی ہے۔ یہی صورت حال بلا اختلاف سیاسی امامت کی اسلام میں ہے کہ ایک فاسق مسلمان تو مسلمانوں کا امیر، صدر، وزیر اعظم اور سیاسی قائد ہو سکتا ہے لیکن ایک عورت ان کی امیر نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ وہ کتنی ہی عابدہ و زاہدہ ہو۔

اس وقت ہمیں مسئلے کے سیاسی پہلو سے بحث نہیں کرنی ہے، اس وقت ہم صرف اس کے اسلامی پہلو سے بات کرنا چاہتے ہیں کہ آخر بے نظیر کی امامت، بے نظیر کی وزارتِ عظمیٰ و حکومت اور بے نظیر کی سیاسی قیادت اور دینی قوتوں کے سکوت یا حمایت میں اسلام کی بہبود کا پہلو کیا ہے؟

بعض حضرات یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر اسلام کی مصلحت ہو تو عورت کو حکمران بنایا جا سکتا ہے؟ چلیے، ہمیں تسلیم کہ بنایا جا سکتا ہے لیکن وہ اسلامی مصلحت کیا ہے جس کے لیے بے نظیر صاحبہ کا انتخاب کیا گیا ہے ــــ ہم بے نظیر صاحبہ کے ذاتی دین و ایمان، عقائد، مذہب، تقویٰ و تدین اور ظواہر شریعت کے احترام سے کوئی بحث نہیں کرتے اس لیے کہ ان چیزوں کو اندھے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ہم صرف یہ پوچھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دور اقتدار، بلکہ اپنی ساری زندگی میں کوئی ایسا کام کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ وہ واقعۃً اسلام کی خدمت کے جذبہ سے کیا گیا ہے اس معاملے میں ان کی وضعداری کا تو یہ عالم ہے کہ الیکشن کے زمانے میں بھی جس میں رندان قدح خوار زاہدانِ شب زندہ دار بن جاتے ہیں کبھی یہ غلطی نہیں کی کہ بھول کر بھی اسلام کا نام لے لے، البتہ اس سے قبل ڈنکے کی چوٹ علی الاعلان قرآن و سنت کے حدود و قصاص اور اسلامی تعزیرات کو ظالمانہ اور وحشیانہ قوانین قرار دیتی رہی ہیں۔

اس کی شکایت ہم سے زیادہ خود انہی حضرات کو پہلے بھی تھی اور دبی زبان سے اب بھی ہے جو خاتون کی

حکمرانی کے مسئلہ پر سکوت اختیار کر چکے ہیں یا پھر حمایت کا ہاتھ بڑھا کر اسے مسند اقتدار پر لانے کا کردار ادا کر چکے ہیں اور اب اس کے استحکام کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ـــ اخبارات میں بعض تحریری اور بعض مذہبی سیاسی زعماء کے ایسے بیانات بھی آرہے ہیں اور بے نظیر کی وفاداری کا جوش اس زور سے ابھرا ہے کہ اس ملک میں اسلام کا قیام تنہا اب ان ہی کے دم سے وابستہ ہو کر رہ گیا ہے ۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

یہ حضرات اضطرار و اکراہ کے علاوہ ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ ملکہ سبآ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائیں تو اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ وحی نہیں اتری کہ عورت کا بادشاہ بننا ٹھیک نہیں ہے ۔

اوّل تو ان بو الفضولوں سے کوئی یہ پوچھے کہ جب عورت کی بادشاہت پر یہ سبائی حجت تمہارے پاس موجود تھی تو پھر اضطرار کی آڑ میں پناہ لینے کی ضرورت کیا تھی ؛ پھر تو خم ٹھونک کر یوں کہنا تھا کہ جس طرح سبا والوں نے ملکہ بلقیس کو اپنی ملکہ بنایا تھا اسی طرح ہم محترمہ بے نظیر کو اپنی ملکہ بنارہے ہیں ۔

دوسری یہ کہ یہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت کے پیرو ہیں یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ؟ ہم نے مانا کہ حضرت سلیمان ؑ پر ملکہ سبا کی بادشاہت کے بارے میں کوئی وحی نہیں آئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو عورت کی امارت کی حرمت آئی اور اس حرمت کے سب سے زوردار بیان کرنے والے ہی تھے تو حضرت سلیمان ؑ کی شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی ناسخ ہے یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت کی ؟

تیسری یہ کہ حضرت سلیمان ؑ پر عورت کو بادشاہ بنانے کی حرمت کی وحی تو تب آتی کہ انہیں اسرائیلی شریعت یہ حکم معلوم نہ ہوتا کہ عورت حکمران نہیں ہوتی اور وہ ملکہ سبآ کو کہیں کا بادشاہ بنانے کا ارادہ کرتے ۔ قرآن سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تو یہ ہے کہ حضرت سلیمان ؑ نے ملکہ سبآ کا تخت و تاج سب اپنے دربار میں منگوا لیا اور خود ان کو بھی اپنے دربار میں فرمانبردارانہ حاضر ہونے کا حکم دیا اور انہوں نے ان کے حکم کی تعمیل بھی کی اس کے بعد کیا ہوا ؛ قرآن اس بارے میں خاموش ہے ۔

چوتھی یہ کہ اگر ملکہ سبآ کی بادشاہت محترمہ بے نظیر کی وزارت عظمیٰ کے لیے دلیل بن سکتی ہے تو کیا حضرت سلیمان ؑ کی بادشاہت پاکستان میں مونث مغربی جمہوریت کے بجائے بادشاہت کے لیے دلیل نہیں بن سکتی ؟ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ملک میں کوئی جمہوریت قائم فرمائی تھی یا انگریزی طرز کا پارلیمانی نظام قائم کیا تھا ۔

پانچویں یہ کہ توراۃ، زبور، انجیل اور انبیاء کرام کے دوسرے صحیفوں میں عورت کی حیثیت کیا بیان ہوئی ہے؟ کیا یہی کہ وہ ملکۂ سبا کی طرح حکمرانی کرے؟ ہم بنی اسرائیل کی پوری تاریخ سیدنا حضرت اسحاق تا سیدنا حضرت مسیح سے ثابت کرسکتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں عورت کی حکمرانی کا نہ صرف یہ کہ کوئی تصور موجود نہیں ہے بلکہ اس کی کامل نفی موجود ہے۔

لیکن اس جہل کے ساتھ ذرا بد دماغی ملاحظہ ہو اِن مہمل دلائل پر روزناموں اور رسائل بلکہ ملک بھر کے اخبارات میں عورت کی حکمرانی کے جواز کے قائلین ساری دنیا کو یہ چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی ثابت کردے کہ اسلام میں عورت کی وزارتِ عظمٰی، امارت اور صدارت جائز نہیں ہے اِن محررین و مضمون نگاران سے زیادہ فقہ اور شریعت تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کو بھی معلوم تھی کہ اس نے جب حضرت سلیمانؑ کو ملکہ سباء سے متعلق رپورٹ پیش کی تو اس نے جہاں اہل سبا کی سورج پرستی کا باندازِ استخفاف ذکر کیا وہیں اسی اندازِ استخفاف میں اس بات کا بھی ذکر کیا کہ ان کے اوپر ایک عورت حکومت جمائے بیٹھی ہے۔

مجوزین حضرات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب سابقہ حکومتوں میں عورت وزیر اور سفیر بن سکتی ہے پارلیمنٹ کی ممبر بن سکتی ہے تو ہم اگر ایک عورت کو وزیر اعظم بنادیں تو لوگوں کو اس پر کیوں اعتراض ہے۔ یہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حکومت میں مختلف قسم کے خلاف شرع امور ہو رہے ہیں منکرات کو فروغ دیا جارہا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی پر عورت ہی عورت ہے تو آخر عورت کی حکمرانی ہی کو ایک شرعی اور دینی مسئلہ کیوں بنایا جارہا ہے۔؟

مسلمانوں کی طرف سے پھر بالخصوص اہل دین کی زبان سے اس عذر کا پیش کیا جانا انتہائی ضعف ایمان کی دلیل ہے اہلِ ایمان کا فریضہ ہر منکر کے خلاف آواز اٹھانا ہے اس سے وہ عنداللہ اس منکر کی ذمہ داریوں سے بری ہوسکتے ہیں اس دلیل کی بنا پر کہ جب بہت سے منکر ہو ہی رہے ہیں تو ایک نئے منکر کے خلاف آواز کیوں اٹھائی جائے ایک ایسی بات ہے جو زندہ ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ اہلِ دین اگر ایک منکر کے وجود کو دوسرے اس سے ہزار درجے بڑے منکر کے جواز کی دلیل بنائیں تو اس کے معنٰی یہ ہیں کہ انہوں نے شیطان کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ کوئی شخص اگر نواز شریف سے ناراض ہے تو خدا کی شریعت سے بیزار کیوں ہوجائے۔ غیرتِ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس منکر پر بھی نکیر کیجئے۔ جو نواز شریف یا کسی بھی حکمران اور سیاستدان کی طرف سے پھیلے اور اس منکر کی بھی بیخ کنی کیجئے جو منکرات کے فتح باب کا شیطانی فلسفہ بھی اپنے ساتھ لیئے ہوئے ہے۔

ڈاکٹر برنارڈ لوئیس

عربوں کے احسانات، یورپ پر

ایک حقیقت، جس کا دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں

پروفیسر برنارڈ لوئیس بزرگ مستشرق ہیں۔ وہ کافی عرصہ یونیورسٹی آف لندن میں "مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ" کے استاد رہنے کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی سے منسلک رہے ہیں۔ انہوں نے اسلام اسلامی تاریخ اور اسماعیلی شیعیت کے ساتھ ترکی اور مشرقِ وسطیٰ پر متعدد کتب اور مقالات لکھے ہیں "کیمبرج ہسٹری آف اسلام" کے مرتبین میں شامل ہیں، تاہم وہ مستشرقین کے اُس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو اسلام اور مشرق کے بارے میں وسیع القلبی پیدا نہیں کر سکا۔ ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ انہوں نے بی۔ بی۔ سی (لندن) کے عربی پروگرام میں "انگلستان اور عربی علوم و فنون" کے موضوع پر چھ تقریریں نشر کی تھیں۔ اسی زمانے میں انگریزی متن BRITISH CONTRIBUTIONS TO ARABIC STUDIES [لندن: لانگ مینز (۱۹۴۱ء)] اور عربی ترجمہ شائع ہو گیا تھا۔ شعبۂ اطلاعات حکومتِ ہند نے اردو ترجمہ جید برقی پریس (دہلی) سے شائع کیا تھا جو ایا شاذ ہی نظر آتا ہے۔ یہ کمیاب کتابچہ جہاں اس لحاظ سے اہم ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے دوران میں برطانوی ذرائع ابلاغ اور اُن کی پالیسیوں کو سمجھنے میں اس سے مدد ملتی ہے، وہیں اس سے مؤلف پروفیسر لوئیس کی علمی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ ۱۹۴۰ء میں انہوں نے جس موضوع پر نشری تقاریر لکھیں، وہی ۱۹۸۲ء میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اُن کی تالیف THE MUSLIM DISCOVERY OF EUROPE [نیویارک: ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ نارٹن] میں زیرِ بحث آیا ہے۔

ڈاکٹر برناوڈ لوس کے تحقیقات تعبیرات اور آراد ان کی اپنی فکری رجحان کے ترجمان ہیں مگر اس کے باوجود مضمون میں یورپ پہ عربوں کے احسانات کا اعتراف ہے

ہذا عالم اسلام اور عیسائیت کے شکریہ کے ساتھ نذر قارئین ہے۔

قرونِ وسطیٰ ایک مدت تک محققین کا یہ خیال رہا کہ اسلامی اور فرنگی تہذیبیں پہلے پہل ایک دوسرے سے خاص طور پر صلیبی لڑائیوں کے سلسلہ میں روشناس ہوئیں۔ یہ واقعہ ہے کہ یہی پہلا

موقع تھا جب عربی مشرق اور عیسائی مغرب میں گہرا تعلق پیدا ہوا اور یقیناً دونوں ایک دوسرے کی تہذیب سے مستفید بھی ہوئے، مگر زمانہ حال کی تاریخی تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ یہ باہمی استفادہ اثر اور وسعت کے لحاظ سے بہت محدود تھا جیسا کہ اس واقعہ کی نمایاں فوجی نوعیت پر نظر کرتے ہوئے اسے ہونا بھی چاہیئے تھا۔ مغرب میں عموماً اور انگلستان میں خصوصاً عربی علوم و افکار کے پہنچنے کا ایک دوسرا ہی ذریعہ تھا۔

شمالی افریقہ کو فتح کرنے کے بعد فاتح عرب نصرت و کامرانی کے پرچم اڑاتے ہوئے یورپ تک نکل آئے اور ایک عرصہ تک ان کی نوآبادیاں بحیرۂ روم کے خطے کے دو اہم علاقوں میں قائم رہیں۔ عربوں نے اسپین اور صقلیہ (سسلی) میں ایک ایسی شاندار تہذیب کی بنیاد رکھی جو اس وقت کے تمام عیسائی ممالک کی تہذیب سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی۔ یہ تہذیب اپنی ہم عصر عیسائی تہذیبوں پر اثر انداز ہو کر رہی۔ اس وقت بھی جب کہ یہ علاقے پھر عیسائیوں کے ہاتھ آ گئے، کچھ عرصہ تک وہاں عربی علوم و فنون کا ویسا ہی چرچا رہا۔ عیسائی بادشاہ خود عربی زبان بولتے اور عرب علماء کی امداد کرتے رہتے)۔ ابتدا ہی سے عربوں کی برتر و اعلیٰ تہذیب کے اثرات فرنگی ممالک میں پہنچنے لگے۔ اسپین کے عربی بولنے والے عیسائی اس اثر کو آگے بڑھانے کا اہم ذریعہ ثابت ہوئے اور اسپین اور سسلی کے عربی بولنے والے یہودیوں نے بھی جن کی زبان ان کے ہم مذہب فرنگیوں کی طرح عبرانی تھی، مغرب میں عربی علوم و فنون کو پھیلانے میں بہت مدد دی۔ ہم اس سلسلہ میں ایک ہسپانوی یہودی فلسفی اور عالم ابراہم بن عزرا کا خاص طور پر ذکر کریں گے۔ یہ شہر طلیطلہ کا رہنے والا تھا اس نے ۵۹۔۱۱۵۸ء میں لندن کا سفر کیا اور کچھ دنوں وہاں تعلیم و تدریس کا کام بھی انجام دیا۔ اسی طرح ایک انگریز ٹامس براؤن (THOMAS BROWN) کا ذکر بھی کر سکتے ہیں جو سسلی میں قاضی تھا اور عربی دستاویزات میں اسے "قاضی بردن" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

بارہویں صدی میں شمالی ممالک خصوصاً انگلستان کے علماء طلبِ علم کی غرض سے اسپین کی عرب یونیورسٹیوں میں آنے لگے۔ ان علماء میں پہلا اور بزرگ ترین عالم شہر باتھ (BATH) کا رہنے والا انگریز ایڈیلارڈ (ADELARD) تھا۔ یہی شخص تھا جس نے مغرب میں عربی علوم و فنون کے پھیلانے میں پہل کی۔ بارہویں صدی کے ربع اوّل میں ایڈیلارڈ نے عربی زبان اور عربی علوم حاصل کرنے کی غرض سے طول طویل سفر کیے۔ اس نے اپنے ہم عصر عیسائیوں کے لیے بہت سی عربی کتابوں کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا اور واپسی پر انگلستان کے ہونے والے بادشاہ ہنری کے نام معنون کی۔ اس کی اہم ترین تصنیف NATURAL QUESTIONS (مسائل طبیعیہ) ایڈیلارڈ اور اس کے بھتیجے کے درمیان ایک مکالمہ کی صورت میں ہے۔ بھتیجے نے فرنگیوں کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی تھی اور ایڈیلارڈ نے عربوں کے یہاں۔ اس مکالمہ کے ذریعہ انہیں دو مختلف اصولوں اور نظریوں میں باہم

مقابلہ کیا گیا ہے۔ ایڈیلارڈ اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتا ہے کہ "میں عربوں کے نظریہ کی حمایت کروں گا۔ خود اپنی شخصی رائے پیش نہ کروں گا۔" پھر اُس نے نہایت تفصیل کے ساتھ "عرب طریقہ" کی برتری بیان کی اور اپنے ٹرکو کام میں لاکر مغرب میں اسی طریقہ کے پھیلانے میں بہت مدد دی۔ اس نے علم ہیئت اور ریاضی کی بہت سی عربی کتابوں کا ترجمہ کیا اور اس طرح یورپ میں ان علوم کو ترقی دی۔

ایڈیلارڈ کے بعد بہت سے دوسرے انگریز علماء اسپین گئے۔ شہر چسٹر (CHESTER) کے ایک شخص رابرٹ (ROBERT) نے بھی بارہویں صدی میں علم ریاضی حاصل کیا اور عربی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ڈینیل آف مورلے (DANiEL OF MORLEY) بھی اُس زمانہ کی قابل ذکر شخصیتوں میں سے تھا جیسا کہ وہ خود اپنے متعلق بیان کرتا ہے۔ اسے فرنگی یونیورسٹیاں پسند نہ تھی اس لیے وہ دنیا کے زیادہ بالغ نظر حکماء کی تلاش میں" اسپین گیا۔ یہاں سے وہ کتابوں کا ایک ذخیرہ ساتھ لے کر واپس آیا جسے پڑھنے والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ تیرہویں صدی میں میکائیل اسکاٹ (MiCHAEL SCOT) نے سسلی میں تعلیم پائی اور عربی اور عبرانی زبانوں میں دستگاہ حاصل کی۔ اُس نے ارسطو کی تصنیفات کا عربی سے ترجمہ کیا اور اس طرح ان میں سے بہت سی کتابوں سے مغرب پہلے پہل روشناس ہوا۔ اُس نے ارسطو کی تصنیفات کی عربی شرحوں کا بھی ترجمہ کیا اور خود علم ہیئت اور علم کیمیا پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

ان علماء اور ان کے علاوہ ان دوسرے حوصلہ مند انگریزوں کی تصنیفات کا جنہوں نے تحصیل علم کی خاطر مصائب برداشت کرکے عربی ممالک کا سفر اختیار کیا، تہذیب پر بہت اثر پڑا۔ یہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ انگلستان ہی نہیں بلکہ سارا مغرب علوم و فنون کے ان کارناموں سے واقف ہوا جو عربوں نے انجام دیئے یہ ایک اہم قدم تھا جس نے یورپ کی تہذیب کو آگے بڑھایا۔ ان تراجم اور تصانیف کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ عربی علوم سے جو لوگ بہت زیادہ متاثر ہوئے، ان میں انگلستان کے بلند پایہ فلسفی راجر بیکن (ROGER BACON) اور مشہور شعراء چاسر (CHAUCER) اور لڈگیٹ (LYDGATE) بھی تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ (DiCTS AND SAYiNGS OF THE PHiLOSOPHERS) جو اس سلسلے میں انگلستان میں شائع ہونے والی پہلی کتاب ہے اور ۱۴۷۷ء میں طبع ہوئی تھی، ایک عربی تالیف "کتاب مختار الحکم و محاسن الکلم" سے ماخوذ تھی جسے مصر کے امیر مبشر بن فاتک نے ۱۰۵۳ء میں تالیف کیا تھا۔ یہ عربی کتاب ہنوز غیر مطبوعہ ہے مگر اس کا قلمی نسخہ ہالینڈ میں موجود ہے۔ یہ کتاب فلسفیانہ اقوال و امثال پر مشتمل ہے اور ایک زمانہ میں مشرق میں بہت مقبول تھی۔ اس کا ترجمہ یورپ کی بہت سی زبانوں میں ہوا۔

قرون وسطیٰ کے یورپ پر عرب ہم عصروں اور ان کے مغربی ترجمانوں کا دوگونہ احسان ہے۔ پہلا احسان

تو یہ کہ یورپ کو یونانی علوم و افکار کے اس گراں مایہ ترکہ کا بڑا حصہ عربوں ہی کے ہاتھوں پہنچا جسے مغرب تو گنوا چکا تھا مگر عربوں نے محفوظ رکھا اور بڑھایا۔ دوسرا احسان یہ ہے کہ یورپ نے عربوں سے تحقیق کا ایک نیا طریقہ سیکھا جس نے عقل (REASON) کو سند (AUTHORITY) پر ترجیح دے کر آزادانہ تحقیق و تجربہ کی اہمیت پر زور دیا۔ یہی وہ دو سبق تھے جنہیں سیکھ لینے کی وجہ سے بہت بڑی حد تک قرونِ وسطیٰ کے دور کا خاتمہ ہو گیا اور دورِ احیاءِ علوم (RENAISSANCE) کا آغاز ہوا اور جدید یورپ عالمِ وجود میں آیا۔ انگریز علماء نے ان سبقوں کو دوسروں تک پہنچانے کے سلسلے میں اہم خدمات انجام دیں۔ یہ ایک تاریخی حادثہ ہے کہ ٹھیک اس زمانہ میں عربوں نے وہ باتیں جو انہوں نے یورپ کو سکھائی تھیں، خود بھلانی شروع کر دیں اور کئی صدیوں بعد انہیں پھر سیکھنی پڑیں۔

آیئے اس تقریر کے خاتمہ پر شہر باتھ کے ایڈیلارڈ سے سنیں کہ وہ اپنے بھتیجے سے اس نئے طریق کے متعلق جو اس نے اسپین میں سیکھا تھا، کیا کہتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ یہ تحریر آٹھ سو برس پرانی ہے۔

> "میں نے عقل کو اپنا رہبر بنا کر اپنے عرب اُستادوں سے کچھ اور سیکھا ہے مگر تمہیں کچھ اور سکھایا گیا ہے۔ تمہاری آنکھیں سند کی ظاہری عظمت سے خیرہ ہو جاتی ہیں اور تم اپنے منہ پر دہانہ چڑھا لیتے ہو۔ آخر سند کو دہانہ نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ جس طرح وحشی درندوں کے منہ پر دہانہ چڑھا کر جہاں چاہتے ہیں، لے جاتے ہیں اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ انہیں کہاں اور کیوں لے جایا جا رہا ہے کیونکہ وہ تو اپنی اُس ڈوری سے جس میں وہ بندھے ہوتے ہیں، پیچھے چلے جاتے ہیں۔ ٹھیک اُسی طرح تم میں سے بہت سے ضعیف الاعتقاد لوگ اپنے بھولے پن اور اندھی تقلید کی وجہ سے مصنفین کی سند سے مرعوب ہو کر ٹھوکریں کھاتے ہیں ...... افراد کو اسی لیے تو عقل عطا کی گئی ہے کہ وہ اسے حکم قرار دے کر حق و باطل میں امتیاز کر سکیں ...... ہمیں سب سے پہلے عقل و خرد کی تلاش کرنی چاہیئے اور جس وقت وہ دستیاب ہو جائے (صرف اسی وقت اس سے پہلے نہیں) اس کی تائید میں اگر مل جائے تو سند بھی قبول کر لینی چاہیئے۔ سند بذات خود فلسفی کے اعتماد کے لیے کافی نہیں اور نہ اسے اس غرض سے استعمال کرنا چاہیئے۔"

جو لوگ عربوں کی تحریروں سے واقف ہیں اور ایڈیلارڈ کے اس سبق کے ماخذوں کو اور جو لوگ مغربی علوم کا کچھ علم رکھتے ہیں وہ اس کی اہمیت کو فوراً تاڑ لیں گے۔

اِستشراق کی ابتداء

پہلی تقریر میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ کس طرح قرونِ وسطیٰ میں انگریز علماء عربوں سے علم حاصل کرنے اسپین اور سسلی گئے اور کس طرح انہوں نے اپنے حاصل کردہ علم کو انگلستان واپس آکر پھیلایا۔ اب ہم ایک نئی ترقی کا ذکر کرتے ہیں جو تحصیل علوم عربیہ کے سلسلے میں رونما ہوئی یعنی اُن علماء کا ظہور جنہیں حال کی اصطلاح کے مطابق اوّلین مستشرقین کہا جا سکتا ہے۔ جس دور کا ہم نے پچھلی صحبت میں مطالعہ کیا ہے اور جس دور سے اس وقت بحث ہے ان دونوں کے درمیان جو عرصہ گزرا، اس میں بہت سے تغیرات پیش آئے۔ اس عرصہ میں یورپ نے تو علوم وفنون میں بہت ترقی کر لی مگر عرب اپنا پچھلا تفوق بھی کھو بیٹھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب یورپ کے طلباء کو اس کی ضرورت نہ رہی کہ وہ عربی علوم و فنون کی تحصیل کے لیے عرب اساتذہ کی جستجو کریں۔ اس طرح اِستشراق کی ایک نئی قسم ظاہر ہوئی جس نے علومِ مشرقیہ کی جدید تحقیقات کا دروازہ کھولا۔ آج انگریز طلبہ اس غرض سے عربی نہیں پڑھتے کہ وہ عربی علماء سے علوم وفلسفہ میں سبق لیں بلکہ محض عربی زبان حاصل کرنے کی غرض سے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اب انگریزوں نے پہلے پہل سنجیدگی کے ساتھ عربی زبان وادب کا مطالعہ شروع کیا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں وہ عربوں اور فرنگیوں دونوں کے لیے اسی طرح سودمند ثابت ہوئیں جس طرح حال کے مستشرقین کی خدمات۔ عربی لغات اور کتب صرف ونحو تالیف کی گئیں۔ عربی کتابوں کے قلمی نسخے مشرق میں مطبع ہونے سے بہت پہلے آراستہ وپیراستہ کرکے طبع کیے گئے۔ عرب کی تاریخ اور عربی ادب کے متعلق تحقیقات کا سلسلہ شروع ہوا اور اسی طرح کے دوسرے کام انجام دیئے گئے۔ یہ تحریک سترھویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی۔ اسی صدی میں انگلستان کی دو بڑی یونیورسٹیوں یعنی کیمبرج اور آکسفورڈ میں عربی پڑھانے کا خاص انتظام کیا گیا اور اس غرض سے انگریز پروفیسر مقرر ہوئے کہ وہ شوقین طلبہ کو عربی زبان سکھائیں۔ اُس زمانہ میں پہلے پہل انگلستان میں عربی کتابیں طبع ہوئیں۔ ہم اس موقع پر اُن شخصیتوں کا ذرا زیادہ تفصیل سے ذکر کریں گے جنہوں نے سب سے پہلے اس کام میں حصہ لیا۔

وہ شخص جسے عام طور پر انگلستان میں "تحصیل علوم مشرقیہ کا باوا آدم" مانا جاتا ہے، ولیم بڈویل (WILLIAM BEDWELL) تھا۔ یہ ۱۵۶۱ء سے ۱۶۳۲ء تک زندہ رہا۔ اس کا ایک دلچسپ مقالہ آج بھی موجود ہے جس میں اس نے عربی زبان کی اہمیت اور اُس کے حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس نے عربی زبان کے متعلق لکھا ہے۔ "یہی ایک زبان ہے جسے دینی تقدّس حاصل ہے اور جو جزائر کینیری (الجزائر السعیدہ) سے ملک چین تک سیاسی معاملات اور کاروبار کی خاص زبان سمجھی جاتی ہے۔" بڈویل کو اپنے زمانے میں کافی شہرت حاصل تھی اور وہ تمام یورپ میں علومِ عربیہ کے ماہر کی حیثیت سے مشہور تھا۔ اس کی خاص

تالیف ایک ضخیم عربی لغت ہے جو سات جلدوں میں ہے اور بدقسمتی سے ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ اس کی مطبوعہ کتابوں میں بعض عربی نسخے ہیں جو لندن میں طبع ہوئے اور بعض علومِ قرآنی کے متعلق تحقیقی رسالے ہیں۔ اس نے ان عربی الفاظ کی ایک لغت بھی تیار کی جو بیزنطینی زمانہ سے خود اس کے زمانے تک مغربی زبانوں میں مستعمل چلے آرہے تھے۔

اُس زمانے کی ایک اور نمایاں شخصیت اڈمینڈ کیسٹل (EDMUND CASTELL) ہے جو کیمبرج یونیورسٹی کے اوّلین عربی اساتذہ میں سے تھا اور ۱۶۰۶ء سے ۱۶۸۵ء تک زندہ رہا۔ اس کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ سامی زبانوں کی ایک مشترکہ لغت ہے جس کی تالیف میں اس نے اپنی زندگی کے اٹھارہ سال صرف کیے۔ یہ لغت پہلے پہل ۱۶۶۹ء میں شائع ہوئی۔ مؤلف نے اِس لغت کے دیباچہ میں خود اپنے متعلق لکھا ہے "کم از کم ۱۶ یا ۱۸ گھنٹے روزانہ کام کرکے اور جسمانی تکالیف اور مالی نقصانات اٹھا کر کوئی اٹھارہ سال کی شبانہ روز محنت کے بعد" اس نے یہ لغت تالیف کی۔ یہ لغت جو اپنی نوعیت کی پہلی لغت تھی، بہت اہمیت رکھتی تھی اور انگلستان اور یورپ میں متعدد بار طبع ہوئی۔ اس کے علاوہ کیسٹل کی دوسری کتابوں میں تحصیل علوم عربیہ کی قدر و قیمت کے متعلق ایک رسالہ، ابن سینا کی شرح اور عربی طبع زاد نظموں کا ایک مجموعہ ہے جو انگلستان کے شاہ چارلس ثانی کے نام معنون ہے۔

جان گریوز (JOHN GREAVES) جو ۱۶۰۲ء سے ۱۶۵۲ء تک زندہ رہا، ایک مشہور ریاضی دان تھا اور ایک زمانے میں آکسفورڈ میں علم ہیئت کا پروفیسر تھا۔ اس نے مشرق قریب اور خاص کر مصر کی کافی سیاحت کی تھی اور عربی اور فارسی زبانوں کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اس نے عربی اور فارسی کی بہت سی قلمی کتابوں، سکوں اور جواہرات کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم کیا اور فارسی صرف و نحو پر ایک مختصر سی کتاب شائع کی۔ اسے فنِ ریاضی کے متعلق مسلمانوں کی تصنیفات سے خاص دلچسپی تھی اور اس نے اس موضوع پر بہت سے پرانے نسخے اور تحقیقی رسالے شائع کیے۔ اس کا بھائی ٹامس گریوز (THOMAS GREAVES) بھی عربی و فارسی جانتا تھا۔ اس نے بھی چند مضامین شائع کیے۔ سترہویں صدی میں علومِ عربیہ کے ماہرین کی فہرست میں حسبِ ذیل علماء کا نام لیا جاسکتا تھا۔

ابراہیم وہیلاک (ABRAHAM WHEELOCK) کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کا پہلا پروفیسر تھا۔ سیموئیل کلارک (SAMUAL CLARKE) جس نے عربی عروض پر ایک مقالہ لکھا اور مشہور مقامات کے عربی ناموں کی ایک لغت تالیف کی۔ برائن والٹن (BRIAN WALTON) جس نے بہت سی مشرقی زبانوں میں توریت شائع کی۔ ڈوڈلی لوفٹس (DUDLEY LOFTUS) جو آئرستانی عالم اور مقنن تھا۔ جان سلڈن

جان سلڈن (JOHN SELDEN) جو ۱۵۸۴ء سے ۱۶۵۴ء تک زندہ رہا۔ اس نے ایک محقق اور مدبر کی حیثیت سے اس دور کے انگلستان کی زندگی میں بہت اہم اور نمایاں حصہ لیا۔ جان سلڈن دوسرے علوم کے علاوہ عربی اور دوسری بہت سی مشرقی زبانوں سے واقف تھا۔ اُس نے عربی کی ایک تاریخی کتاب کے نسخے کو مرتب کرکے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا اور مرنے کے وقت مشرقی زبانوں کی کتابوں کے قلمی نسخوں کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا۔

علوم عربیہ کے جو ماہرین سترہویں صدی میں گزرے ہیں، اُن میں سب سے بلند مرتبہ شخص ایڈورڈ پوکاک (EDWARD POCOCKE) تھا جو ۱۶۰۴ء سے ۱۶۹۱ء تک زندہ رہا۔ یہ پہلا شخص تھا جسے آکسفورڈ میں عربی کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ یہی یورپ کا وہ پہلا مستشرق ہے جس نے حقیقتاً نہایت اعلیٰ درجہ کی خدمات انجام دیں۔ پوکاک نے بچپن ہی میں عربی پڑھنا شروع کردی تھی۔ اسے ولیم بڈویل جیسے شخص کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ اُس نے کچھ دنوں آکسفورڈ میں میتھو پیسر (MATHEW PASOR) سے بھی تعلیم حاصل کی جو مظالم سے تنگ آکر جرمنی سے بھاگ آیا تھا۔ ۱۶۳۰ء میں وہ حلب گیا اور وہاں پانچ برس رہا۔ اس عرصہ میں اُس نے عربی تحریر اور روزمرہ میں کافی مہارت حاصل کرلی۔ وہ عربی کتابوں کے قلمی نسخوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ اپنے ساتھ آکسفورڈ لایا اور اس طرح ان نسخوں کو تلف ہونے سے بچایا۔ اس نے حلب کے بہت سے لوگوں سے دوستی پیدا کرلی تھی جن میں خاص کر ایک شیخ فتح اللہ نامی عالم و فاضل تھا جس نے اسے عربی پڑھائی تھی۔ شیخ فتح اللہ کے ساتھ تمام عمر اس کے دوستانہ تعلقات رہے۔

۱۶۳۶ء میں انگلستان واپس آنے کے بعد پوکاک کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی پروفیسر کی نئی جگہ پر مقرر کردیا گیا جہاں وہ عربی ادب اور صرف ونحو کی تعلیم دیتا رہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی تقریروں کو سننے کے لیے تمام طلبہ کو شرکت پر مجبور کیا گیا۔ نئے پروفیسر نے ابتدائی تقریر میں عربی زبان اور ادب کی اہمیت پر بحث کی اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اقوال پر تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔

۱۶۳۷ء میں اُس نے دوبارہ مشرق کا سفر کیا تاکہ نئی معلومات اور کچھ اور قلمی نسخے حاصل کرے۔ اس نے اپنے پرانے دوست فتح اللہ سے ایک بار پھر ملاقات کی۔ وہ ۱۶۴۱ء میں آکسفورڈ واپس آیا اور باقی عمر انگلستان ہی میں علمی کاموں میں صرف کردی اور دوسرے سفر میں مشہور ریاضی دان جان گریوز (JOHN GREAVES) بھی اس کا ہم سفر تھا۔

اس طویل مدت میں جو اُس نے آکسفورڈ میں گزاری جہاں انجیر کے مشہور درخت کے نیچے بیٹھ کر جسے وہ ملک شام سے لایا تھا اور جو اب بھی موجود ہے اور غالباً انگلستان میں سب سے پرانا انجیر کا درخت ہے
(باقی آئندہ)

بلا تبصرہ

جناب ضیاء الدین لاہوری

سرسید مشرقی علوم اور پنجاب یونیورسٹی

جس دور میں سرسید احمد خاں ہندوستانیوں کی دیسی زبانوں کے ذریعے علوم و فنون کی تعلیم دینے کے ؟ ہوتے اور اس مقصد کو سامنے رکھ کر مغربی علوم کی کتابوں کے تراجم شائع کرنے کے لیے سائنٹیفک س کی بنیاد رکھی انہوں نے برٹش انڈین ایسوسی ایشن کی جانب سے گورنر جنرل کے نام جو عرض داشت کی اس میں ورنیکلر یونیورسٹی قائم کرنے کی درخواست ان الفاظ میں کی۔

"گورنمنٹ ہند اعلیٰ درجے کی تعلیم عام ایسا سر رشتہ قائم کرے جس میں بڑے بڑے علوم اور فنون کی تعلیم دیسی زبان کے ذریعے سے ہوا کرے اور دیسی زبان میں انہی مضمونوں کا امتحان سالانہ ہوا کرے جس میں کہ اب طالب علم کلکتہ یونیورسٹی میں انگریزی زبان میں امتحان دیتے ہیں اور جو سندیں اب انگریزی کے طالب علموں کو علم کی مختلف شاخوں میں لیاقت حاصل کرنے کے عوض میں عطا ہوتی ہیں وہی سندیں ان طالب علموں کو عطا ہوا کریں۔ جو انہی مضمونوں کا دیسی زبان میں امتحان دے کر کامیاب ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ خواہ تو ایک اردو فریق کلکتہ کی یونیورسٹی میں قائم کیا جائے یا ممالک شمالی و مغربی میں ایک یونیورسٹی دیسی زبان کی علیحدہ مقرر کی جائے۔ گورنمنٹ پنجاب نے مشرقی زبانوں کی ایک یونیورسٹی کی ضرورت کو تسلیم کر کے اس کی بنیاد ڈالنے کی کوشش شروع کی ہے۔ اس یونیورسٹی کا مقصود اور منشا مشرقی زبانوں کا شگفتہ اور سرسبز کرنا ہے اور یہ یونیورسٹی ایک ایسا ذریعہ ہوگی جس کی بدولت اہل یورپ کے علم اور شائستگی اور تربیت ہندوستان میں پھیلے گی جس سے ہندوستان کی حالت بدل جائے گی۔" [1]

یہ عرض داشت ۱۸۶۶ء میں پیش کی گئی تھی۔ انیسویں صدی کی نویں دہائی کے آغاز میں جب اس

---

[1] سرسید احمد خاں (حالات و افکار) ص۱۰۱

مقصد کے لیے پنجاب یونیورسٹی کے قیام کے منصوبے بن رہے تھے تو اس بارے میں سرسیدؒ کے خیالات بدل چکے تھے اور وہ اعلیٰ تعلیم کا حصول صرف انگریزی زبان ہی کے ذریعے چاہتے تھے۔ اہل پنجاب نے لارڈ رپن کو ایک ایڈریس پیش کیا جس میں یہ کہا گیا کہ "ساڑھے تین لاکھ روپیہ، جو عطیہ یونیورسٹی کالج ہے، والیان ریاست ہائے و دیگر روسائے پنجاب نے دراصل زبان ہائے دیسی کی تکمیل سے تعلیم کو رواج دینے کی غرض سے عطا کیا تھا۔ سینٹ کو اس بارے میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ علم کو زبان ہائے دیسی کے توسل سے ترقی دینا تعلیم کی ضروریات کو ملک کے حسب حال بنانے کا بہترین طریقہ ہے [۱] اس کے جواب میں لارڈ رپن نے کہا کہ "میں ان خیالات سے اتفاق رکھتا ہوں جو میرے یقین میں آپ لوگ رکھتے ہیں کہ اس ملک میں صرف زبان ہائے دیسی کے توسل سے علوم و فنون کی ترقی و اشاعت بہترین سہولت سے ہو سکتی ہے۔" [۲]
اس صورت حال پر سرسیدؒ خاموش نہ رہ سکے اور اوپر تلے تین مضامین پنجاب یونیورسٹی کے مجوزہ منصوبے کی مخالفت میں تحریر کیے۔ ان کے خیال میں یہ اعلیٰ تعلیم کو موقوف کرنے کی ایک سازش تھی۔ انہوں نے لارڈ لٹن کے ان خیالات پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

"جیسے کہ جناب ممدوح نے بعض اسپیچوں میں علوم مشرقی کی ترقی کی ترغیب دی یا جیسے کہ یہ حال میں واقعہ پنجاب یونیورسٹی کالج کو کامل یونیورسٹی بنانے کی درخواست کے وقت پیش آیا دور اندیش ہندوستانیوں کو نہایت تردد میں ڈالتا ہے اور وہ خوف زدہ ہو کر خیال کرتے ہیں کہ شاید وہ پالیسی مستحکم ہو گئی ہے اور وہی دھوکہ کی ٹٹی پھر ہماری آنکھوں کے سامنے کھڑی کی جاتی ہے جس کو مرحوم ہمارے محسن لارڈ میکالے نے اپنی نہایت سچی تحریروں اور زبردست ہاتھوں سے اٹھایا تھا۔" [۳]

انہوں نے مزید لکھا کہ "بذریعہ ترجموں کے علوم مغربی کے ہندوستان میں پھیلانے کا مقصد ایک ہنسی کی بات ہے۔ بہت مدت ہوئی کہ یہ پالیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں اختیار کی گئی تھی اور اس بہادر اور محسن شخص لارڈ میکالے نے اس کو بھی ویسا ہی بے سود اور دھوکا ثابت کر دیا جیسے کہ اس زمانے کی دوسری پالیسی کو ثابت کیا اور بالآخر اس دھوکہ کی ٹٹی کو اٹھا دیا۔" [۴]
متذکرہ عہد کا تذکرہ کرتے ہوئے سرسیدؒ نے بعد میں اپنی ایک تقریر میں کہا تھا۔
"یہ وہ زمانہ تھا کہ جب لارڈ میکالے پریذیڈنٹ ایجوکیشنل بورڈ کے تھے۔ اس وقت اس کی تکرار

---

[۱] مقالات سرسید (۱۵) ص ۵۸ [۲] ایضاً [۳] ایضاً ص ۶۲ [۴] ایضاً ص ۶۵

اور بحث تھی کہ ہندوستانیوں کو آیا انگریزی علوم اور فنون سکھائے جائیں یا ان کو انہی مشرقی علوم میں مبتلا رکھیں جن میں وہ ابتدائے عمل داری انگریزی سے ۱۸۳۰ء یا ۱۸۳۲ء تک مبتلا تھے؟ یہ تکرار علوم انگریزی کے مفید یا غیر مفید ہوتے پر نہ تھی بلکہ اس بات پر تھی کہ خدا نے جن بندوں کو ہمارے قبضے میں دیا ہے ان کو اپنے فائدے کی نظر سے اندھیرے میں رکھنا بہتر ہے یا خدا کا، ملک کا، انسانیت کا فرض ادا کرنے کے خیال سے ان کو روشنی میں لانا فرض ہے؟ یہ بحث نہ صرف ہندوستان میں تھی بلکہ اس بحث سے پارلیمنٹ کے کمرے انگلستان میں بھی گونجتے تھے۔ وہ شخص، جو اپنی نیک روی سے خدا کے بندوں پر نیکی کرنا چاہتا تھا، اس امر میں گورنمنٹ سے مخالف تھا، مگر بڑی بحث کے بعد وہ نیک بندہ خدا کے بندوں پر شفقت کرنے والا یعنی لارڈ میکالے جیت گیا۔ میری دانست میں کوئی گورنر جنرل، کوئی وائسرائے۔ کوئی ملک کا خیرخواہ ایسا نہیں گزرا جس نے لارڈ میکالے سے زیادہ ہندوستان پر اور ہندوستانیوں پر احسان کیا ہو، جس نے اس طرح کے استقلال اور ملک کی خیر خواہی زور قلم اور سچی رائے سے ثابت کرکے یہ طے کرا دیا کہ انگریزی زبان اور یورپین سائینس کی ہندوستانیوں کو اعلیٰ درجے کی تعلیم ہو۔'' [1]

سرسیدؒ نے اپنے مضمون میں واشگاف الفاظ میں بیان کیا کہ ''ہم کو علوم مشرقی کی ترقی کے پھندے میں پھنسانا ہندوستانیوں کے ساتھ نیکی کرنا نہیں ہے بلکہ دھوکے میں ڈالنا ہے۔ ہم لارڈ میکالے کو دعا دیتے ہیں کہ خدا اس کو بہشت نصیب کرے کہ اس نے اس دھوکہ کی ٹٹی کو اٹھا دیا تھا۔ کیا وہ ٹٹی ہماری آنکھوں کے سامنے پھر لگائی جاتی ہے؟'' [2]

سرسیدؒ نے علوم مشرقی کی ترویج کی مخالفت کرتے ہوئے تحریر کیا۔

''ہم علوم مشرقی کی ترقی کے معنی نہیں سمجھتے، نہ علوم مغربی کا دیسی زبانوں کے ذریعے سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم تک شائع ہونا ممکن جانتے ہیں جو اصلی مقاصد پنجاب یونیورسٹی کالج کے ہیں۔ اور اس لیے اس کو کوئی ذریعہ اپنی ترقی کا بجز ایک دھوکہ کے قرار نہیں دے سکتے۔'' [3]

''ہندوستان میں اس خیال کا پیدا کرنا کہ ہم مشرقی علوم اور دیسی زبان اور دیسی علوم کو (جن کو ہم نہیں جانتے) ترقی دے کر عزت و دولت و حشمت و حکومت حاصل کریں گے بعینہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی امریکہ کے اصل باشندوں کو خیال دلائے کہ تم اپنی دیسی زبان اور دیسی علوم میں (جو کچھ کہ ہوں) ترقی کرکے اپنی حکمران قوم میں عزت و دولت و حشمت و حکومت حاصل کرو گے۔'' [4]

---

[1] سفر صـ۲۵۱ [2] مقالات سرسید (۱۵) صـ۶۲ [3] ایضاً صـ۶۶ [4] ایضاً (۸) صـ۳۶

انہوں نے یونیورسٹی کالج لاہور کو خوب خوب ہدف تنقید بنایا اور لکھا۔

"علوم مشرقی کی ترقی اور چھوٹی موٹی ترجمہ کی ہوئی کتابیں ہم کو کیا نتیجہ دیں گی اور ہم کو کون سی عزت و دولت و حشمت و حکومت بخشیں گی، یونیورسٹی کالج لاہور نے اب تک ہم کو کس نتیجہ پر پہنچایا ہے جو آئندہ پوری یونیورسٹی ہو کر اور مردہ علوم مشرقی کو زندہ کرکے اور ہماری پرانی شائستگی کو پھر پیدا کرکے ہم کو پہنچائے گی کچھ شبہ نہیں کہ یونیورسٹی کالج اب بھی ہماری ترقیوں کا سدراہ ہے اور جب وہ یونیورسٹی ہو جائے گا اور ضرور ہو جائے گا تو ملک کے لیے، قوم کے لیے، ملکی ترقی کے لیے، قومی ترقی کے لیے آفت عظیم ہوگا...

... یونیورسٹی کالج لاہور، جو پوری یونیورسٹی ہونے والا ہے۔ بجز اس کے کہ ہم کو سیدھی راہ چلنے سے روکے، ہم کو ہمارے حقوق سے محروم رکھے، ہم کو اس لائق نہ ہونے دے کہ ہم اپنے حقوق کا دعویٰ کر سکیں؟ اور کیا کر سکتا ہے؟ ...... ہم کو علوم مشرقی کے زندہ کرنے اور مشرقی زبانوں کے ترقی دینے کے جال میں پھنسانا صاف ایسی تدبیریں کرنا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم کو ہماری ترقیات حاصل کرنے سے روکا جائے .... پس پنجاب یونیورسٹی، اگر وہ قائم ہو جائے تو، ہمارے حق میں بجز اس کے کہ ہماری اعلیٰ درجہ کی یورپین تعلیم کو برباد کر دے اور پالیسی پر عمل کرے جو ہمیں برباد کرنے والی ہے اور کیا کرے گی"[1]

"یونیورسٹی کالج لاہور نے بلخ و بدخشاں کے طالب علموں کو جو کچھ تعلیم دی ہو، ہم کو اس کا حال معلوم نہیں مگر آج تک اس نے ایک کو بھی عربی یا فارسی میں ان لوگوں کے برابر نہیں بنایا جنہوں نے مسجد کے چبوتروں اور خانقاہ کے تنگ و تاریک حجروں میں بیٹھ کر اور درود و فاتحہ کی روٹیوں پر گزر راہ کرکے عربی اور فارسی کی تحصیل کیا اور اعلیٰ درجہ کا تبحر اس میں پیدا کیا مگر اس کا نتیجہ بجز اس کے کہ مردوں کی روٹیاں کھانے والے زیادہ ہو گئے ملک کو کیا فائدہ پہنچا؟ اگر پنجاب یونیورسٹی قائم ہو جائے اور ہم کو علوم مشرقی میں ویسی ہی تعلیم دے (گو ویسی تعلیم بھی ممکن نہیں) تو بجز اس کے کہ چند بھکاری اور چند فاتحہ کی روٹیاں کھانے والے ملک میں زیادہ ہو جائیں، اور کیا نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے؟"[2]

سرسید گذشتہ دور کے علوم مشرقی کے عالم وکیلوں کی قابل رشک کامیابیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں لیکن حال کے تقاضوں کے تحت ان علوم کو بے فائدہ سمجھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"ہم مثالاً اپنے ملک کی بڑی عدالت کا ذکر کرتے ہیں جب کہ صدر عدالت ہائی کورٹ نہیں ہوئی تھی مشرقی علوم اور مشرقی زبان کے نہایت ذی علم و لائق شخص وکالت کرتے تھے اور ایسے کامیاب تھے کہ

---

[1] ایضاً ص ۳۷ تا ۴۰ [2] ایضاً ص ۴۲

زمانہ ان پر رشک کرتا تھا۔ وہ نام کے مولوی عالم اور مولوی فاضل نہ تھے بلکہ حقیقتاً مشرقی علوم اور مشرقی زبان کے ایسے عالم تھے کہ پنجاب یونیورسٹی کالج کو ان سے آدھا بھی پیدا کرنا نہایت مشکل ہے ۔ دفعتہً ۱۸۶۶ء میں صدر عدالت ہائی کورٹ ہوگئی اور یورپین علوم اور یورپین زبان نے اپنا راج کیا ۔ وہ بار آور درخت علوم مشرقی اور مشرقی زبان کے ،جن کی پتنگ آسمان تک پہنچی تھی ، اس طرح کملا کر زمین پر گر پڑے جیسے کوئی نیا نازک پودا پالے کے صدمہ سے جھلس جائے ۔اب ہائی کورٹ میں جاکر علما علوم مشرقی کا حال دیکھو کہ ان پر مکھیاں بھنکتی ہیں ۔ نہ وہ اپنی ذات کا کچھ فائدہ کر سکتے ہیں، نہ ملک کا ، نہ قوم کا ۔" [۱]

سرسیدؒ کے یہ نظریات طاقت ور انگریزی حکومت کی حاکمانہ پالیسیوں کے باعث کسی مجبوری کی پیداوار نہیں بلکہ وہ غیر ملکی حکومت کے ایسے اقدامات کی صریحاً مخالفت کرتے ہیں جو مشرقی علوم کی ترقی کے ضمن میں اٹھائے جائیں اور ایسی حکمت عملیوں کی زبردست حمایت کرتے ہیں جن میں انگریزی زبان اور یورپین علوم کو دیسی زبانوں اور مشرقی علوم پر ترجیح دی گئی ہو ۔ مثال کے طور پر انہوں نے متذکرہ مضامین میں تحریر کیا ۔

"ہم گورنمنٹ کی اس تجویز کو کہ تمام اعلیٰ عہدے بجز لائق انگریزی دانوں کے کسی کو نہ دیئے جائیں نہائت پسند کرتے ہیں اور جہاں تک کہ اس میں سختی ہوتی جائے ملک کا اور قوم کا اور گورنمنٹ کا سب کا فائدہ سمجھتے ہیں ۔" [۲]

سرسیدؒ کا خیال تھا کہ "ہمیں اپنی قوم کو انگریزی زبان کی ،جس کو خدا نے اپنی مرضی سے ہم پر حکومت دی ہے اور جس کے ماننے بغیر ہم دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتے بلکہ میں کہوں گا کہ دین کی بھی خدمت نہیں کر سکتے ، تعلیم دینا ہے ۔" [۳]

مشرقی علوم کے ذریعے ڈگری پانے والے پچھلے عالموں کے متعلق انہوں نے سوال کیا کہ وہ "اس زمانے میں کس کام کے ہوں گے اور ملک کو ان سے کیا فائدہ ہوگا ؟ مانا کہ وہ علم کے خزانے رکھتے ہوں ، مگر وہ خزانے ہمارے کس کام آئیں گے ، جب کہ ہماری حکمران زبان وہ زبان نہیں ہے ۔ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ ایک پتلے کے پیٹ میں بہت سی کتابیں بھر دی جائیں ۔" [۴] سرسیدؒ نے قوم کے لیے جو راہ متعین کی وہ ان الفاظ سے ظاہر ہے ۔

"ہمارے لیے سیدھا راستہ کھلا ہے کہ جہاں تک ہم سے ہو سکے یورپین لٹریچر اور یورپین سائنس میں

---

[۱] ایضاً ص ۴۵ [۲] ایضاً ص ۴۶ [۳] مکمل مجموعہ لیکچرز ص ۲۹۰
[۴] سفرنامہ پنجاب ص ۲۵۲

اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی ترقی کریں ۔جہاں تک ہم کو یونیورسٹی کے سچے خطابات حاصل ہو سکتے ہیں حاصل کریں اور جب اس سے بھی زیادہ ہم میں ہمت ہو، آکسفورڈ ، کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کو جائیں ، اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی ڈگریاں حاصل کرنے میں کوشش کریں ، اپنے تئیں مہذب و تعلیم یافتہ جنٹلمین اس کے اصلی و حقیقی معنوں میں بنائیں اور جو فیض تعلیم و تربیت و تہذیب ہم نے ان مہذب ملکوں میں حاصل کیا ہو اس کو اپنے ہم وطنوں اور ہم قوموں میں پھیلائیں ۔'' [1]

اور اس تمام بحث کا لُبِّ لباب سرسید ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں ۔

''ہمارے ملک کو، ہماری قوم کو اگر درحقیقت ترقی کرنی اور فی الواقع ہماری ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کا سچا خیر خواہ اور وفادار رعیت بننا ہے تو اس کے لیے بجز اس کے اور کوئی راہ نہیں ہے کہ وہ علوم مغربی و زبان مغربی میں اعلیٰ درجہ کی ترقی حاصل کرے ۔'' [2]

''جو شخص اپنی قومی ہمدردی سے اور دور اندیش عقل سے غور کرے گا وہ جانے گا کہ ہندوستان کی ترقی ، کیا علمی اور کیا اخلاقی ،صرف مغربی علوم میں اعلیٰ درجہ کی ترقی حاصل کرنے پر منحصر ہے ۔ اگر ہم اپنی اصلی ترقی چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی مادری زبان تک کو بھول جائیں ۔تمام مشرقی علوم کو نسیاً منسیاً کردیں ۔ ہماری زبان یورپ کی اعلیٰ زبانوں میں سے انگلش یا فرنچ ہو جائے ۔ یورپ ہی کے ترقی یافتہ علوم دن رات ہمارے دست مال ہوں ۔ ہمارے دماغ یورپین خیالات سے (بجز مذہب کے) لبریز ہوں ۔ ہم اپنی قدر ، اپنی عزت کی قدر خود آپ کرنی سیکھیں ۔ ہم گورنمنٹ انگریزی کے ہمیشہ خیر خواہ رہیں اور اس کو اپنا محسن و مربّی سمجھیں ۔'' [3]

کتابیات

سرسید احمد خاں (حالات و افکار) از مولوی عبدالحق ، انجمن ترقی اردو کراچی (۱۹۷۵ء)

سید احمد خاں کا سفر نامہ پنجاب (مولوی اقبال علی) مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۷۳ء)

مقالات سرسیدؒ (مرتبہ شیخ اسماعیل پانی پتی) مجلس ترقی ادب لاہور

حصہ ہشتم (۱۹۶۲ء)

حصہ ۱۵ (۱۹۶۳ء)

مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز (مرتبہ محمد امام الدین گجراتی) مصطفائی پریس لاہور (۱۹۰۰ء)

---

[1] مقالات سرسید (۸) صـ۱۲ [2] ایضاً صـ۱۸ [3] ایضاً (۱۵) صـ۴۶ ۔

نزلے کے ازالے کے لیے جوشینا

کھانسی اور نزلے کی ابتدا عموماً زکام سے ہوتی ہے۔ گلے میں خراش محسوس ہو یا چھینکیں آنا شروع ہوں تو فوری جوشینا لیجیے۔ یہ ان تکلیف دہ امراض کے علاج اور ان سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

جوشینا — نزلہ، زکام اور کھانسی کے علاج کے لیے طبِ مشرق میں صدیوں سے استعمال ہونے والے مجرب اور مؤثر جوشاندے کا خلاصہ ہے۔

ایک پیکٹ "جوشینا" ایک کپ گرم پانی میں حل کیجیے، فوری استعمال کے لیے ایک شفابخش خوراک تیار ہے۔

مدینۃ الحکمۃ — تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ

آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

نزلہ و زکام جوشینا سے آرام

ہمدرد

IOS-1/93

جناب شمس الحق ندوی صاحب

بندۂ مومن کا بلند عزم و حوصلہ

اس وقت ہم جس ماحول و فضا میں سانس لے رہے ہیں وہ مغرب کی مادہ پرستی اور جاہ طلبی کا ماحول ہے، جس نے انسان کو من کا راجہ اور نفس کا غلام بنا کر اس کو ہر قید و بند سے آزاد کر دیا ہے اور زمانہ کی فضاؤں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس ایک ہی صدا گونج رہی ہے " بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست "، جو مزے اڑانے ہیں اڑا لو کہ یہ دنیا اجڑ کر پھر نہ بسے گی۔ اس خیال و تصور نے تمام پیمانوں کو بدل دیا ہے۔ اور دلوں میں یہ بات اتار دی ہے کہ دینی حدود و قیود مادی ترقی اور عیش کوشی کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہیں اور انسان دینی حدود و قیود اور بھی کچھ انسانی اقدار کے بندھنوں سے بالکل آزاد ہو جائے تو اپنی معمولی سے معمولی خواہش کے پورا کرنے اور نفع اندوزی کی خاطر اس کو کچھ بھی کر گذرنے میں کیا باک ہوگا، اب دنیا سمٹ سمٹا کر ایک گھروندہ بن کر رہ گئی ہے، ہم اپنے گردوپیش ہی نہیں بلکہ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک نظر دوڑائیں تو نظر آئے گا کہ قتل و خون ریزی، لوٹ مار، بے حیائی اور فحاشی، بے مروتی اور طوطا چشمی، منافقت، مکر، دھوکا دہی کی ایسی طوفانی ہوائیں چل رہی ہیں کہ الحفیظ، الاماں۔ دعویٰ تو یہ کیا جا رہا ہے کہ انسان نے ترقی کی ہے، وہ پہلے سے زیادہ مہذب و متمدن ہوا ہے، زندگی کے وہ وسائل اور سہولتیں ایجاد کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے جن کا انسانی تصور و خیال میں آنا محال تھا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان سائنسی ترقیوں کے بعد انسان ان حقائق اور وعدوں پر ایمان لاتا جو خالق کائنات نے اپنے نیک بندوں سے کیے اور وحی کے ذریعہ اپنے رسول کو بتائے ہیں اور رسول خدا نے اس کی تفصیل بیان کی ہے جن لوگوں نے انکار کیا تھا ان کے انکار کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اپنی محدود عقل کے دائرہ میں جس پر اوہام و خرافات کا غلبہ تھا محال سمجھ کر اس پر یقین نہیں لاتے تھے لیکن جدید ترقیوں نے کسی بھی صاحب فہم و ذکا کے لیے ان حقائق کو سمجھنے کے لیے راستہ ہموار کر دیا ہے۔

مگر ان ترقیات کے نشہ میں انسان نے ان حقائق کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ ترقیات کے نقد فوائد کے سامنے وہ ان دائمی فوائد پر غور کرنے کے ہوش میں ہی نہیں ہے، اور اپنے کو مختلف منصوبوں میں کامیاب پاکر خود کو برسر حق اور مقبول سمجھنے لگا ہے، اور بجائے اس کے کہ ضمیر کی خلش محسوس کرے اپنی ہر کامیابی کے ساتھ اور زیادہ غافل و مطمئن ہوتا جاتا ہے اور اپنے عمل پر احتساب کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھتا۔ قرآن

کریم نے اس ترقی کا بھی راز کھول کر بیان کر دیا ہے پھر بھی انسان غور کرنے کے حال میں نہیں۔ فرمایا۔

"مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ"

(جو کو دنیا کی نیت رکھے گا ہم اس کو دنیا میں سے جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے، فوراً دے دیں گے)

بہت وضاحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی گئی کہ ہم طالب دنیا کو دنیا دیں گے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اتنا دیں جتنا وہ چاہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر چاہنے والے کو دیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی اپنی چاہت میں کامیاب ہوتا ہے اور کوئی ناکام اور کوئی تو ایسا ناکام ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور وہاں پہنچ جاتا ہے جہاں تلافی کی راہیں بند ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور اس کا انجام اس دنیا کے بنانے والے کا غضب اور آگ کی دائمی سزا ہوگی جس کو آیت کے دوسرے جز میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا" (پھر ہم اس کے لیے جہنم رکھیں گے، اس میں وہ بدحال اور راندہ ہو کر داخل ہوگا۔)

آیت کے اس دوسرے جز سے یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ فوری کامیابی مطلق صورت میں ہرگز خوش ہونے والی نہیں دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ اس کا آخری انجام کیا ہے اگر صرف دنیا ہی تک اس کا نفع محدود ہے تو خرابی ہی خرابی ہے۔

عاجلہ یعنی دنیائے فانی کی بڑھی ہوئی ہوس نے اس وقت جو صورت حال پیدا کر دی ہے ہر صاحب عقل و شعور اس کو دیکھ کر حیران و ششدر ہے اور کوئی بات بنائے نہیں بن رہی ہے، جو کچھ ہوش حواس رکھتے ہیں اور ان خرابیوں سے نکلنے کی راہ دکھانے کی فکر و کوشش کرتے ہیں، ان کو یہ کہہ کر ناقابل اعتنا بنانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ پرانے ٹائپ کے لوگ ہیں ان کو نئی روشنی نہیں بھاتی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت قافلۂ انسانیت کی کشتی سخت خطرات سے دوچار ہے۔ بالکل اس طرح جیسے کشتی سے موجوں کے تھپیڑے ٹکرا رہے ہوں، رات کی تاریکی ہو اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ کالی کالی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوں اوپر سے بادل ٹوٹ کر برس رہا ہو، اور نیچے پہاڑ جیسی موجیں اٹھ رہی ہوں، ان کے شور و گھڑگھڑاہٹ سے دل ہلے جا رہے ہوں اور چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں، اس خوفناک منظر کی تصویر کشی قرآن کریم سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے ارشاد ہے۔

"كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ

جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چلی آتی ہو، اور اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک

یکَدْ یَرَاھَا" پر ایک (چھایا ہو) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھے۔

اس وقت کی صورتِ حال اس دور اور ماحول کو تازہ کر رہی ہے جو بعثت نبوی سے قبل تھی، مادہ پرستی کا ایسا جادو چلا ہوا ہے کہ اس کی لت اور طلب میں غیر تو غیر امت مسلمہ کے بہت سے افراد اس کے پیچھے اپنی دینی غیرت و حمیت تک کو خیر باد کہہ کر اسی کے پیچھے دوڑنے لگتے ہیں بلکہ بسا اوقات تو اسی کی طلب و جاہت یا سستی شہرت و جاہ کی چاٹ میں قومی ملی مفاد تک کو داؤں پر لگا دیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی خوب پذیرائی بھی ہوتی ہے اس لیے کہ دین دشمن طاقتوں کو ایسے مہروں کی ضرورت ہوتی ہے یہ مہنگا سودا کتنے دن کے لیے۔ ایسے لوگوں کو مذکورہ آیت کو بار بار پڑھنا چاہیئے شاید اس کی کوئی ضرب آنکھیں کھول دے۔

"مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا"

جب پوری انسانیت کا مزاج وہ بن گیا ہو جس کی ہلکی سی جھلک اوپر پیش کی گئی اور اس پر ستم یہ کہ امت مسلمہ کے بھی کچھ افراد اسی دھارے میں بہنے لگیں اور اسلامی اصول و اقدار کی مخالفت پر اتر آئیں تو ایسے میں امتِ مسلمہ کے علمائے ربانیین اور مخلص داعیوں کا کام بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اور ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے اس لیے کہ نبی آخرالزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء ہی کو اب تا قیامت کارِ نبوت کی نیابت کرنی ہے اور جب کارِ نبوت کی نیابت کرنی ہے تو ان مشکلات و دشواریوں سے بھی دوچار ہونا پڑے گا جن سے انبیاء کرام کو گزرنا پڑا ہے اسی طعن و تشنیع اور ملامت سے بھی سابقہ پڑے گا جس سے انبیاء کرام گزرے ہیں اس بگڑے ہوئے ماحول کے طوفان جھکڑوں میں جب صبر و ثبات کا ثبوت دیا جائے گا تو اس کے نتائج بھی نصرتِ خداوندی سے سامنے آئیں گے۔

تھوڑی دیر کے لیے حضرت مجدد الف ثانی کے دور کو نگاہوں میں لایئے اور ان خطرات و مشکلات کے ساتھ جو حکومت وقت کی طرف سے درپیش تھیں، مال و دولت کے طلب گاروں کی بھی سازشوں پر نظر ڈالیے تو اس دیار میں بقائے اسلام کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مگر ع

جہاں تے راد گرگوں کرد یک مرد خدا گاہے

تنہا حضرت مجدد الف ثانی کی سعی مشکور کے نتیجہ میں اس دیار میں دین اسلام کا چراغ اس طرح روشن ہے کہ دوسرے ملکوں کے مسلمان اس سے روشنی حاصل کر رہے ہیں۔ اس لیے گو ہوا مخالف ہے اور بادِ صرصر کے جھونکے چل رہے ہیں دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ ساتھ انہوں نے بھی تعلیمات نبوت کی من مانی شرح و تفصیل شروع کر دی ہے۔ اور ہماری بعض حکومتوں کے سربراہ بھی اپنی عیاشی میں رخنہ سمجھ کر دین اسلام کے مخالف ہو گئے ہیں۔

علماء اور دینی کارکنوں کو ان کے مقابلہ میں ہمت نہ ہارنی چاہیے بلکہ "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ" کے خدائی وعدہ پر اعتماد و بھروسہ کر کے اپنے کام کو جاری رکھنا چاہیے، وہ وقت بھی آئے گا جب تاریکی کے بادل چھٹیں گے اور حق و صداقت کی صبح نمودار ہوگی۔

اس وقت دنیا میں جو اندھیر مچا ہوا ہے وہ کمزور ایمان دلوں میں یہ وسوسہ نہ پیدا کرے کہ نعوذ باللہ اب بات خدائے بزرگ و برتر کے قدرت و اختیار سے باہر ہوگئی ہے اور وہ مجبور و لاچار ہے یہ ایک مومن کا عقیدہ نہیں بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی طرف سے استدراج اور ڈھیل کے طور پر ہو رہا ہے جب تک اسے منظور ہے۔ اس لیے ہمت ہارنے کی کوئی وجہ نہیں ہاں حسن تدبیر اور حکمت و دانش مندی کے ساتھ داعیوں اور دینی کارکنوں کو اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے اور ہمت و حوصلہ کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے اس لیے کہ اس اندھیر کی مکافات عمل کا ایک وقت مقرر ہے جو آکے رہے گا۔

اس میں شبہ نہیں کہ داعی کے لیے غیر معمولی رکاوٹیں اور دشواریاں ہیں وہ جو کچھ کہنا اور سمجھانا چاہتا ہے اس کو جواب ملتا ہے

"قُلُوْبُنَا فِیْ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَیْہِ وَفِیْ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عَامِلُوْنَ" (فصلت ۵)

ہمارے دل پردوں کے اندر ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

مگر صاحب ہمت و حوصلہ لوگ کام بگڑے ہوئے حالات ہی میں کرتے ہیں اور پھر اس کے ثمرات سامنے آتے ہیں اس لیے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔

تاریخ انسانی میں اور تاریخ اسلام میں بھی ایسے حالات بار بار پیش آئے کہ معلوم ہوتا تھا حق و صداقت کا چراغ اب گل ہوا تب گل ہوا لیکن صاحب عزم و ہمت بندگان خدا نے ان حالات کے سامنے سپر نہیں ڈالی وہ اپنا قدم آگے ہی کی طرف بڑھانے میں کوشاں رہے اور جب پورے طور پر جانچ پرکھ لیے گئے تو حالات بدل گئے جس کی ایک مثال تو اوپر حضرت مجدد صاحب کی گذری اور بہت ہی معروف و مشہور اور نہایت خطرناک صورت حال تاتاریوں کے دور عروج کی ہے معلوم ہوتا تھا کہ روئے زمین پر اب اسلام کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے گا لیکن وہی تاتاری جن سے اسلام کو خطرہ تھا اور جو اسلام کو مٹا دینے کے درپے تھے، اولو العزم بندگان خدا کی مساعی جمیلہ نے ایمان و یقین کا ایسا صور پھونکا کہ جس درندہ صفت قوم سے اسلام کو خطرہ لاحق تھا وہ پوری کی پوری قوم اسلام میں داخل ہوگئی اور اسلام کو گلے سے لگایا اور اسلام کی ایسی خدمت کی، ایسے افراد پیدا

یہ ایران سے اسلام کی تاریخ میں، اسلام کے شیدائیوں کے ایک روشن باب کا اضافہ ہوا جس کو شاعر اسلام علامہ اقبال نے صرف ایک شعر میں اس طرح ادا کر دیا ہے ؎

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اسلام ایک دائمی اور ابدی دین حق ہے جو انسانوں کی صلاح و فلاح کے لیے قیامت تک کے لیے آیا ہے اور رہے گا کوئی طاقت اس کو مٹا نہیں سکتی ہاں حجت تمام کرنے کے لیے قسمت کے ماروں کو اسلام کے خلاف سازشوں اور مکر میں وقفہ وقفہ سے بظاہر کچھ کامیابیاں ہوتی نظر آئیں گی تاکہ اہل ایمان کا برابر امتحان ہوتا رہے اور اہل شرک وطغیان پر خلود فی النار کی حجت تمام ہوتی جائے۔

"یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ"

لہٰذا بندۂ مومن کو اپنا عزم و حوصلہ بلند رکھنا چاہیے اور کتاب وسنت کی روشنی میں برابر اپنا احتساب و جائزہ بھی لیتے رہنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے اس کو کیا کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ حالات سے گھبرا کر بنو اسرائیل کی طرح کہنا شروع کر دے کہ موسیٰ ہم کو کہاں لا کر پھنسایا۔ سامنے سمندر ہے اور پیچھے سے بادو باراں کی طرح بڑھتا ہوا وہ لشکر فرعون جو ابھی ہمیں اپنی گرفت میں لے لینا چاہتا ہے لیکن دنیا نے کیا دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوی جلال کے ساتھ فرمایا۔

"کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ۔" ہرگز نہیں میرا خدا میرے ساتھ ہے وہ راہ دے گا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تاریخ میں ثبت ہے۔ لہٰذا مایوسی اور ہمت ہارنے کی کوئی وجہ نہیں۔

قارئین سے گذارش

ماہنامہ الحق اپنے پروردگار کے فضل و کرم اور اپنے مخلصین کی سرپرستی و تعاون سے بحمد اللہ ۲۹ سال سے علم دین اور ملک وملت کی مقدور بھر خدمت کر رہا ہے پرچے کا بنیادی مقصد، دعوت دین، اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے خالص تبلیغی اور دینی نقطہ نظر سے ہماری یہ امکانی کوشش رہی ہے کہ پرچہ کی طباعت عمدہ اور معیاری ہو مگر مسلسل منہگائی اور غیر ملکی شرح ڈاک میں دوبارہ اضافوں کی صورت حال کے پیش نظر مجبوراً الحق کے سالانہ بدل اشتراک میں جنوری ۱۹۹۴ء سے معمولی سا اضافہ کر کے سالانہ چندہ ۱۰۰ روپے کیا جا رہا ہے امید ہے کہ جملہ قارئین ادارہ کی مشکلات کے پیش نظر اپنا تعاون حسب سابق جاری رکھیں گے۔ البتہ جن قارئین کا سالانہ بدل اشتراک موصول ہو چکا ہے ان سے سالانہ بدل اشتراک کے اختتام تک کوئی اضافی رقم نہیں لی جائے گی۔

بیرون ملک قارئین کے لیے سالانہ بدل اشتراک بذریعہ ہوائی جہاز ۲۵ امریکی ڈالر ہیں۔ (ادارہ)
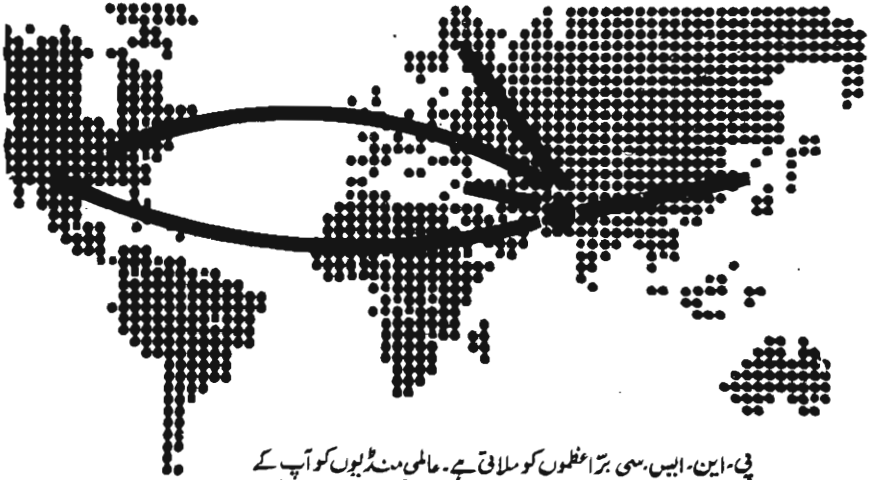
ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت
اور
اقلیّت کا سیاسی مفہوم

سیاسی بول چال میں جب کبھی "اقلیت" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ریاضی کے حسابی قاعدے کے مطابق انسانی افراد کی ہر ایسی تعداد جو ایک دوسری تعداد سے کم ہو، لازمی طور پر "اقلیت" ہے اور اسے اپنی حفاظت کی طرف سے مضطرب ہونا چاہیے بلکہ اس سے مقصود ایک ایسی کمزور جماعت ہوتی ہے جو تعداد اور صلاحیت، دونوں اعتباروں سے اپنے کو اس قابل نہیں پاتی کہ ایک بڑے اور طاقتور گروہ کے ساتھ رہ کر اپنی حفاظت کے لیے خود اپنے اوپر اعتماد کر سکے، اس حیثیت کے تصور کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ ایک گروہ کی تعداد کی نسبت دوسرے گروہ سے کم ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ بجائے خود کم ہو، اور اتنی کم ہو کہ اس سے اپنی حفاظت کی توقع نہ کی جا سکے، ساتھ ہی اس میں تعداد (NUMBER) کے ساتھ نوعیت (K...) کا سوال بھی کام کرتا ہے۔ فرض کیجیے ایک ملک میں دو گروہ موجود ہیں ایک کی تعداد ایک کروڑ ہے دوسرے کی دو کروڑ ہے۔ اب اگرچہ ایک کروڑ، دو کروڑ کا نصف ہوگا اور اس لیے دو کروڑ سے کم ہوگا، مگر سیاسی نقطۂ خیال سے ضروری نہ ہوگا کہ صرف اس نسبتی فرق کی بنا پر ہم اسے ایک اقلیت فرض کر لیں اور اس کی کمزور ہستی کا اعتراف کر لیں اس طرح کی اقلیت ہونے کے لیے تعداد کے نسبتی فرق کے ساتھ دوسرے عوامل (FACTORS) کی موجودگی بھی ضروری ہے۔

اب ذرا غور کیجیے کہ اس لحاظ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حقیقی حیثیت کیا ہے؟ آپ کو دیر تک غور کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، آپ صرف ایک ہی نگاہ میں معلوم کر لیں گے کہ آپ کے سامنے ایک عظیم گروہ اپنی اتنی بڑی اور پھیلی ہوئی تعداد کے ساتھ سر اٹھائے کھڑا ہے کہ اس کی نسبت "اقلیت" کی کمزوریوں کا گمان بھی کرنا اپنی نگاہ کو صریح دھوکا دینا ہے۔

اس کی مجموعی تعداد ملک میں آٹھ نو کروڑ کے اندر ہے، وہ ملک کی دوسری جماعتوں کی طرح معاشرتی اور نسلی تقسیموں میں بٹی ہوئی نہیں ہے، اسلامی زندگی کی مساوات اور برادرانہ یک جہتی کے مضبوط رشتے نے اسے معاشرتی تفرقوں کی کمزوریوں سے بہت حد تک محفوظ رکھا ہے، بلاشبہ یہ تعداد ملک کی پوری آبادی

میں ایک چوتھائی سے زیادہ نسبت نہیں رکھتی۔ لیکن سوال تعداد کی نسبت کا نہیں ہے، خود تعداد اور اس کی نوعیت کا ہے۔ کیا انسانی مواد کی اتنی عظیم مقدار کے لیے اس طرح کے اندیشوں کی کوئی جائز وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک آزاد اور جمہوری ہندوستان میں اپنے حقوق و مفاد کی خود نگہداشت نہیں کر سکے گی؟" مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ اعلان حق:

"میں مسلمان ہوں، اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں، اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم و فنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے، لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے، اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی وہ اس راہ میں میری راہنمائی کرتی ہے، میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں میں ہندوستان کی ایک اور ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں، میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے، میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل (FACTOR) ہوں میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔"

ہندوستان کے لیے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کی سرزمین انسان کی مختلف نسلوں مختلف تہذیبوں اور اور مختلف مذہبوں کے قافلوں کی منزل بنے، ابھی تاریخ کی صبح بھی نمودار نہیں ہوئی تھی کہ ان قافلوں کی آمد شروع ہو گئی اور پھر ایک کے بعد ایک سلسلہ جاری رہا، اس کی وسیع سرزمین سب کا استقبال کرتی رہی اور اس کی فیاض گود نے سب کے لیے جگہ نکالی، ان ہی قافلوں میں ایک آخری قافلہ ہم پیروانِ اسلام کا بھی تھا، یہ بھی پچھلے قافلوں کے نشانِ راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا، اور ہمیشہ کے لیے بس گیا، دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا ملان تھا یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح پہلے ایک دوسرے سے الگ الگ بہتے رہے لیکن پھر جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے دونوں کو ایک سنگم میں مل جانا پڑا، ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا جس دن یہ واقعہ ظہور میں آیا اس دن سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے پرانے ہندوستان کی جگہ ایک نئے ہندوستان کے ڈھالنے کا کام شروع کر دیا۔

ہم اپنے ساتھ اپنا ذخیرہ لائے تھے، یہ سرزمین بھی اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی ہم نے اپنی دولت اس کے حوالے کر دی اور اس نے اپنے خزانوں کے دروازے ہم پر کھول دیئے ہم نے اسے اسلام کے ذخیرے کی وہ سب سے زیادہ قیمتی چیز دے دی جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی ہم نے اسے جمہوریت اور

(باقی صفحہ نمبر ۴۹ پر)

جناب ڈاکٹر محمد ریاض صاحب

ادب کا اسلامی تصوّر

آج کل لفظ "ادب" عام طور پر دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک نثر و نظم کی جملہ اصناف کے لیے[1] اور دوسرے اپنا اور دوسروں کا احترام اور اخلاقی لحاظ کرنے ہیں۔ دوسرے معنی کے لیے عام طور پر طریقوں سے کام لیتے ہوئے با ادب، بے ادب کے مرکب کلمات بنائے جاتے ہیں۔ لفظ ادبیات ادب کے پہلے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ علم ادب، شعر و ادب کو عمدگی سے تخلیق کرتے والے ادبی علوم کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے علم لغت، لسانی قواعد، بدیع، بیان اور معانی کے علوم۔ آداب (جمع ادب) البتہ رسوم اور طور طریقے کے معنی میں ہے۔ اسلام کی ادبی تاریخ میں "ادب" کے معانی کا تنوع ایک بڑا دلچسپ امر ہے، اور جیسا کہ ان چند سطور سے ظاہر ہے اس لفظ کے اب بھی کئی معانی ہیں۔

جاہلی دور کے عربی ادب میں لفظ "ادب" آبا و اجداد کے طور طریقوں کے لیے مستعمل رہا ہے۔ آج کل "ادب" بالعموم اسے کہتے ہیں جو اصنافِ نثر میں تخلیقات انجام ہوئے، مگر دورِ جاہلی میں باپ دادا کے رسوم و اطوار کو خاطر نشین کرنے والا شخص ادیب کہلاتا تھا۔ مگر اس دور میں بھی "ادیب" کے معنی رفتہ رفتہ پڑھے لکھے، دانش مند اور تعلیم یافتہ شخص کے ہو گئے تھے۔[2]

قرآن مجید میں لفظ "ادب" یا اس کے مشتقات وارد نہیں ہوئے۔ البتہ لفظ "دأب" بمعنی طور طریقے اور مثال، قرآن مجید میں آیا ہے۔[3] اس لفظ کی جمع "آداب" ہے۔ محققین کا قیاس ہے کہ لفظ "دأب" ہی کسی قدر متقلوب ہو کر ادب بنا ہے یا اس کی جمع "آداب" سے مفرد "ادب" وضع کر لیا گیا ہے۔ لیکن احادیث قدسی میں "ادب" پسندیدہ اور اخلاق آمیز طور طریقوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ بلکہ صحیح بخاری شریف میں "ادب" کے عنوان سے ایسی احادیث

---

[1] اردو میں ان اصناف کے لیے دیکھیں، پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کی کتاب "اصناف ادب" لاہور ۱۹۷۶ء

[2] دیکھیں پروفیسر کارلو الفانسو نالینو (۱۸۷۲) کے مقالے کا ترجمہ راقم الحروف کے قلم سے، سہ ماہی اردو، کراچی جنوری ۱۹۷۵ء (لفظ ادب کا مفہوم) نیز دیکھیں اردو دائرہ المعارف اسلامیہ میں لفظ "ادب"

[3] قرآن مجید ۱۱: ۳، ۵۲: ۸، ۵۴: ۸، ۳۱: ۱۰

یک جا ملتی ہیں جن میں والدین کے اولاد کے لیے حقوق، بیواؤں، بیماروں، تنگ دستوں کے حقوق، ہمسایوں کے ساتھ حسنِ سلوک، حسنِ گفتار، نرمی برتنے، حیوانات پر ترس کھانے، حسنِ خلق، عفو و درگزر، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے بخل سے احتراز کرنے، بے جا تعریف سے اجتناب، حسد اور نفاق سے دوری اختیار کرنے سے بردباری اختیار کرنے، اخوت و رفاقت کو نباہنے، بدکاروں اور ریاکاروں کے ذم، حسنِ مزاح، ملاقات، شرم و حیا، غصے سے پرہیز اور مہمان نوازی وغیرہ کا ذکر ہے۔

ظہورِ اسلام کے بعد "ادب" کے معنی آباد اجداد کے طور طریقوں کے نہ رہے مگر پسندیدہ روش کے معنی میں یہ لفظ مروج رہا ہے۔ پہلی صدی ہجری میں لفظ "ادب" بالعموم اسی معنی میں ملتا ہے۔ دوسری صدی ہجری میں البتہ غیر دینی علوم و فنون کو "ادب" کہنے لگے اور حسنِ اخلاق و تعلیم اور تربیتِ نفس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا رہا۔ اس سلسلے میں عبداللہ ابن المقفع (متوفی تقریباً ۱۴۰ھ) سے منسلک "الادب الصغیر" نام کے رسالے کا حوالہ مناسب ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"اس کتاب کا مقصدِ تالیف یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے لوگوں کے افکار کی جلا ہو، ان کی معنوی بصیرت میں اضافہ ہو اور ان کی تعمیرِ قلوب ہو۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی مدد سے ان لوگ پسندیدہ کاموں اور مکارمِ اخلاق کی طرف متوجہ ہوں گے۔"[۱]

اسلامی قلم رو بڑی وسیع ہو رہی تھی اس لیے لغات و اصطلاحات عصری تقاضوں کے ساتھ مقامی اثرات بھی قبول کر رہی تھیں۔ دوسری صدی ہجری میں اسلامی دارالخلافہ دمشق سے بغداد منتقل ہو گیا اور عربوں پر عجمی اثرات کا اضافہ ہونے لگا۔ اب لفظ ادب (دوسری صدی ہجری کے اواخر سے مخصوص طبقے کے شغل و کاوش سے متعلق علم و دانش کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔ ادب کے یہ معانی صدی ہجری تک متداول رہے۔ اس سلسلے میں رسائل اخوان الصفا، ابونصر فارابی کی احصاء العلوم ادب الکاتب اور ابن کشاجم کی ادب الندیم سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اسی دوران شعراء کے مزاح د دل لگی اور دیگر تخلیقات جیسے لغت شناسی، انشا پردازی اور فنونِ لطیفہ کو بھی "ادب" کہا جانے لگا۔ "ادب" کے یہی معانی بڑھتے انیسویں صدی عیسوی تک عربی میں بھی لٹریچر کے مرادف ہو گئے۔ عربی کا اردو، نثر کی اور فارسی پر اثر بدیہی ہے اس لیے ان باتوں میں بھی ادب، آداب اور ادبیات کے کلمات کا استعمال عربی کے شبیہ ہے۔

اوپر جو مختصر بحث پیش کی گئی، وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ تاریخِ اسلام کی قرونِ اولیٰ میں "ادب"، اصلاحِ اخلاق اور تہذیبِ نفس کا منفصل رہا ہے۔ اس قسم کے "ادب" کو آج کل "مفید"، یا "اصلاح آمیز ادب" کہیں گے، مگر اسلام

---

[۱] لفظ "ادب" کا مفہوم (حوالہ ۲ بالا) صفحہ ۱۱۱۔

دراصل ایسے ہی "ادب برائے زندگی" کی ترویج و تشویق کا قائل ہے۔ "ادب" نثر و نظم کی کسی بھی صنف میں پیش ہو، اسلامی معاشرے کی معاونت کا وہ اسی صورت میں حق دار ہوگا کہ اس میں پیش کیسے جانے والے فکر و فن سے انسانی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے "جناب رسالت مآبؐ کا ادبی تبصرہ" کے عنوان سے ایک مختصر مقالے میں ادب کے اسلامی تصور کو واضح کیا ہے[1] جاہلی دور کا شاعر امرؤ القیس جو ظہور اسلام سے کوئی چالیس سال پہلے گزرا، مے نوشی اور عیش دوستی کے علاوہ قادر الکلامی کے لیے بے حد معروف رہا ہے۔ اس شاعر کے بارے میں حضور اکرمؐ نے فرمایا: اشعر الشعراء وقائدھم الی النار۔ یعنی وہ اس عصر کے شاعروں میں سب سے بڑا اور دوزخ کی طرف ان کا رہبر ہے۔ حضور پاکؐ نے امرؤ القیس کو اشعر الشعراء قرار دیا مگر اس کے جاہلی اور تعیش آموز مضامین کی بنا پر اسے اور اس کے زمرے کے دیگر شعراء کو دوزخ کا مکین قرار دیا۔ لیکن قبیلہ بنو عبس کے دور جاہلیہ کے شاعر عنترہ کے ایک شعر کی آپ نے تعریف فرمائی تھی، عنترہ نے کہا تھا۔

لقد ابیت علی الطوی و اظلہ حتی انال بہ کریم الماکل

یعنی میں نے بہت سی راتیں محنت و مشقت میں بسر کی ہیں کہ حلال روزی تک دسترس حاصل کر سکوں۔

اس شعر کو سن کر حضور اکرمؐ نے صحابہؓ سے فرمایا، یہ شعر سن کر میری خواہش ہے کہ اس بت پرست سے ملاقات کروں۔ اقبال فرماتے ہیں کہ شعر کا مضمون ایک بت پرست شاعر کے لیے سرور کائناتؐ کے دل میں کشش پیدا کر دیتا ہے۔ آنحضرتؐ کو کسب و محنت پسند تھی اور اکل حلال تو مومنانہ زندگی کی اساس ہے[2]۔ اس لیے آنحضرتؐ نے اس شعر کی تعریف فرما کر ادبی امور کے سلسلے میں مسلمانوں کی ابدی رہنمائی فرمائی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شعر سے اثر پذیر ہوتے تھے اور دوسروں کو اثر شعر کی طرف متوجہ بھی فرماتے تھے۔ مثلاً یہ واقعہ ملاحظہ ہو:

"حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ٹوکا کہ حرم میں تو شعر پڑھ رہا ہے؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرؓ اسں کو چھوڑ دو" فانہ اشد علیھم من رشق النبل، یعنی یہ شعر ان کافروں کے لیے تیروں کی سختی سے زیادہ سخت ہے[3]۔

---

[1] مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی، مطبوعات شیخ محمد اشرف لاہور، ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۸۷ تا ۱۸۹

[2] اکل حلال کی صوفیانہ توجیہہ کے لیے دیکھیں راقم کا مقالہ "رومی کا تصور فکر، ارمغان رومی، دانش گاہ پشاور ۱۹۷۹ء، صفحہ ۱۶۰

[3] معارف اقبال مؤلفہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، کراچی ۱۹۷۸ء، صفحہ ۲۲

ایک اور واقعہ دوسری طرح کا ہے۔ نفیر نام کا کی شاعر آنحضرت ؐ کو سخت ایذائیں دیتا رہا۔ فتح مکہ کے موقعے پر بھی وہ اپنی بدتمیزی سے باز نہ آیا تو آنحضرت ؐ کے حکم سے حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا۔ اس موقعے پر اس کی بیٹی دردناک اشعار پڑھ کر نوحہ کرنے لگی اور آنحضرت ؐ بھی رو پڑے۔ آپؐ نفیر کی نعش کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے "یہ فعل محمد رسول اللہ ؐ کا ہے" اور اپنی روتی ہوئی آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے "یہ فعل محمدؐ بن عبداللہ کا ہے"۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ مکہ مکرمہ میں کوئی اور شخص قتل نہ کیا جائے۔[۱]

مسلمانوں اور ان کے علوم و فنون پر دنیا کی دیگر اقوام کے اثرات مسلّم ہیں۔ ان ہی اثرات نے اسلام کے اصل تصورات کو کہیں کہیں یونانی، مغربی اور عجمی رنگ دے دیا۔ مگر اسلام نے دوسری اقوام و ملل کو بھی تو متاثر کیا ہے۔ دنیا میں اخذ و تاثیر کے مسلّمہ اصولوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر اصولی بات یہ ہے کہ اسلام ہر قسم کے علوم و فنون کی ترقی کا حامی ہے، بشرطیکہ مجموعی طور پر ان سے "اصلاح و تہذیب و تعمیر" مترشح ہو اور ان میں فساد ہی فساد کار فرما نہ ہو۔ عرب ادب و شعر، قرون اولیٰ میں مولانا حالی کے ان اشعار کے بمصداق تھا:

عرب جو تھے دنیا میں اس فن کے بانی — نہ تھا کوئی آفاق میں جن کا ثانی
زمانے نے جن کی فصاحت تھی مانی — مٹا دی عزیزوں نے ان کی نشانی
سب ان کے ہنر اور کمالات کھو کر — رہے شاعری کو بھی آخر ڈبو کر
ادب میں پڑی جان ان کی زبان سے — جلا دین نے پائی ان کے بیاں سے
سناں کے لیے کام انہوں نے لساں سے — زبانوں کے کوچے تھے بڑھ کر سناں سے
ہوئے ان کے شعروں سے اخلاق صیقل — پڑی ان کے خطبوں سے عالم میں ہلچل

مگر قرآن مجید اور حقیقی اسلام کے ترک کر دینے سے عالم اسلام کے شعر و ادب کا نقشہ بالعموم حسب ذیل ہو گیا۔

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر — عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر
زمیں جس سے ہے زلزلہ میں برابر — ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر
ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا — وہ علموں میں علم ادب ہے ہمارا
برا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے — عبث جھوٹ بکنا گر نا روا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے — مقرر جہاں نیک و بد کی سزا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے — جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے[۲]

---

[۱] ایضاً، صفحہ ۲۷، ۲۸،

[۲] مسدس حالی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۷-۲۰،

قرآنِ مجید کی سورہ الشعرا میں شعرا اور ان کے مقلدین کو گمراہ اور سرگرداں بتایا گیا ہے مگر اہلِ ایمان اور نیک سرشت شعرا اس مذمت سے مستثنیٰ کیے گئے ہیں۔ ایک حدیثِ قدسی ہے کہ: ان من البیان لسحرا وان من الشعر لحکمۃ۔ یہ پُر حکمت شعر و ادب وہی ہے جس کا مدعا و مقصود "تخلقوا باخلاق اللہ" (اللہ کے اخلاق اپناؤ) ہو۔ "اخلاق اللہ" کا مفہوم بڑا وسیع ہے اور اس میں وہ سب خدائی مراحم شامل ہیں جن سے نوعِ انسانی اور دیگر مخلوقات متمتع ہوتی رہی ہیں۔ قادر الکلام مسلمان ادبا و شعرا نے اسی صفت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے پیغام کو صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ پوری عالمِ انسانیت کو مخاطب کیا ہے[1]

مستشرقین نے اپنے رجحان کے مطابق اسلامی ادب کا دیگر اقوام کے ادب کے ساتھ موازنہ کیا ہے اور ملف ادبوں کی خصوصیات گنوائی ہیں غنیمت ہے کہ انہوں نے یہ بات[2] تسلیم کرلی کہ اسلامی ادب نے پاکیزگی اور جوال مردی[3] کے افکار سے دیگر اقوام خصوصاً اہلِ یورپ کو متاثر کیا ہے۔ "پاکیزگی" سے مراد بیان اور افکار کی پاکیزگی ہے۔ یعنی شیوۂ بیان مہذبانہ اور شائستگی سے مملو رکھا گیا اور افکار ایسے پیش کیے گئے جن سے انسانی سیرت و کردار کی تشکیل و تعمیر ہوتی ہو۔ اس کے مقابلے میں "مغربی تہذیب" کے خدوخال اقبال کے ایک دو شعری قطعے میں اس طرح بیان ہوئے۔

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف[4]

اسلامی ادب کا اصل سرمایہ عربی میں ہے۔ اردو، ترکی اور فارسی زبانیں بھی اہم ترسرمایۂ اسلام سے مالامال ہیں۔ قرآنِ مجید کا اثر یوں تو مسلمان ممالک میں متداول سب زبانوں پر ہے، مگر عربی زبان پر اس کتابِ عظیم کے حیران کن اثرات ہیں۔ گو فنی اعتبار سے عربی ادب[5] ترقی پذیر رہا، مگر فکری اعتبار سے ازمنۂ متوسطہ سے اس ادب میں خاصا جمود ورکود رہا ہے۔ ترکی ادب میں بھی بڑے

---

[1] دیکھیں سہ ماہی "اقبال ریویو" اپریل ۱۹۶۰ء میں علامہ آئی آئی قاضی کا مقالہ۔

THE CONCEPT OF ISLAMIC

[2] دیکھیں H-A-R-GIBB THE SCGACY OF ISLAM کا ادب پر مقالہ

[3] جواں مردی یا فتوت کے بارے میں راقم کا مقالہ سہ ماہی "اقبال" لاہور اپریل ۱۹۷۹ء میں ملاحظہ ہو۔

[4] ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال اردو، صفحہ ۵۲۳۔

[5] سہ ماہی بصائر کراچی، جنوری ۱۹۶۷ء۔ عصر بنی امیہ میں غزل

انقلابات آئے فارسی، رومی، سعدی، حافظ، جامی اور بہار ایسے استادوں کی زبان ہے، اور اردو کا سرمایہ نہ صرف عظیم ہے بلکہ بعض پہلوؤں سے دوسری زبانوں سے ممتاز بھی ہے۔ ان زبانوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ "ادب برائے زندگی" سے یہ سب معمور ہیں۔ اخلاق اور حسن معاشرت کے آداب سے یہ زبانیں مملو نظر آتی ہیں۔ اسلامی ممالک پر استعماری گرفتوں کا مدت ہائے مدید تک غلبہ رہا۔ اس دوران مسلمان شعرا اور ادبا نے اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں کو بیدار کرنے کے لیے بڑا کام کیا ہے۔ مسلمانوں کا قومی ادب کا سرمایۂ افتخار ہو سکتا ہے۔ عربی شعرا جیسے ولید ابو الفضل ابو ماضی، عبدالمحسن کاظمی، ابو شفیق، عبدالغنی عراقی، عزالدین تنوخی، حسن کامل الصیرفی[1] حافظ اور شوقی[2] ترک شعرا توفیق فطرت اور ضیا گوک آلپ پاشا۔ فارسی شعرا بہار، عارف اور اشرف اور اردو کے قومی شعرا جیسے حالی، اکبر، اقبال اور کئی دوسرے انیسویں اور بیسویں صدیوں میں قوم کی بیداری میں مشغول رہے ہیں۔ اس گروہ میں یہ سعادت اقبال کے حصے میں آئی کہ اس نے اسلامی ادب کے حیات افروز افکار کا احیا کیا اور اپنے بیدار ساز پیغام کو وہ اردو میں ہے یا فارسی میں، سارے عالم اسلام کے لیے بالخصوص اور عالم انسانی کے بالعموم مخصوص رکھا۔ "شعر" کے عنوان سے ان کا ذیل کا قطعہ خود ان کے شعر کی خصوصیات کا مظہر ہے:

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے تاریخ امم جس کی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغام حیات ابدی ہے
یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگ سرافیل[3]

بہر طور یہ چند صفحات جو ادب کے اسلامی تصور کو ظاہر کرنے کے لیے لکھے گئے، اس امر کے موضح ہیں کہ اسلامی تعلیمات میں "ادب برائے زندگی" کے کافی ووافی اشارے موجود ہیں اور مسلمان شعرا و ادبا اگر ان اشاروں پر متوجہ رہیں تو وہ ہمیشہ حیات افروز ادب تخلیق کر سکتے ہیں اور قرون اولی کے عظیم اسلامی ادب کے نمونے عصری تقاضوں کی روشنی میں دوبارہ پیش کر سکتے ہیں۔ پندرھویں صدی ہجری کا ربع اول ان امور پر غور کرنے کا متقاضی ہے۔

---

[1] سہ ماہی رجحان۔ اپریل ۱۹۶۹ء: عربی میں قومی شاعری

[2] سہ ماہی بصائر، کراچی، اکتوبر ۱۹۶۳ء: جدید عربی ادب اور اس کے رجحانات

[3] ضرب کلیم۔ کلیات اقبال اردو، صفحہ ۵۹۴-۵۹۵

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت

بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینل
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

شفیق الدین فاروقی

دار العلوم کے شب و روز

صدر پاکستان جناب وسیم سجاد کی دار العلوم حقانیہ تشریف آوری

مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت وخطاب اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات و مذاکرات

، نومبر، صدر پاکستان جناب وسیم سجاد صاحب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سے ملنے کے لیے دار العلوم حقانیہ تشریف لائے اس موقع پر حسن اتفاق سے پہلے سے مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس بلایا گیا تھا صدر پاکستان کی آمد اور ان کی تشریف آوری سے بہت ہی کم وقت پہلے اطلاع ملی مگر اس کے باوجود مجلس شوریٰ کا اجلاس بغیر کسی التواء کے جاری رکھا گیا۔ صدر پاکستان آئے تو اس وقت اجلاس کی کاروائی کا آغاز ہو رہا تھا انہوں نے اپنی آمد کے فوراً متصل دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کی اور مختصر خطاب بھی فرمایا ان کے خطاب سے قبل دار العلوم کے مہتمم مولانا سمیع الحق نے اپنے خیر مقدمی کلمات میں خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا۔

عالی مرتبت جناب صدر پاکستان برادرم وسیم سجاد صاحب جناب صاحبزادہ پیر صابر شاہ صاحب وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد و دیگر معزز حاضرین! ہمارے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں کہ ہم آپ کی تشریف آوری پر ہم ان الفاظ سے اپنے جذبات کا اظہار کر سکیں اور شکریہ ادا کر سکیں یہ علماء اور طلباء اور دین کے خادم فقیروں کے پاس آپ کی تشریف آوری اور بوریوں پر ہمارے ساتھ بیٹھنے پر اللہ تعالیٰ ہی آپ کو اجر عطا فرما دے۔

یہاں اتفاق سے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق دار العلوم کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس بلایا گیا تھا یہاں جو بزرگ اور ساٹھ ستر افراد بیٹھے ہوئے ہیں یہ دار العلوم حقانیہ کی ایگزیکٹو باڈی ہے اور سال بعد ان کا مشاورتی اجلاس ہوتا ہے یعنی بجٹ اجلاس، تو یہ مجلس شوریٰ کی مشاورت کے اجتماع کا پروگرام پہلے سے بنایا گیا تھا کل آپ کی تشریف آوری کی اطلاع آئی تو ہم نے کہا نہ ہے قسمت! یہ ہمیں خوشی ہے کہ آج ایسے موقع پر آئے ہیں کہ یہ حضرات دار العلوم کی ترقی، اس کے استحکام اور نظم و نسق کے بارے میں جمع ہوئے ہیں اور ہمیں اعزاز ہے کہ یہ ایک تاریخی اجلاس ہے دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے تاریخی اجلاسوں میں یاد رکھا جائے گا کہ جس میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر مملکت نے بھی چند لمحات کے لیے شرکت کی ہے آپ کے لیے میرے دل میں جو قدر ہے سات سال آپ کے ساتھ ہم نے کام کیا ہے اور سینٹ کے چیئرمین کی حیثیت سے آپ نے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں اور اللہ نے آپ کو جو اخلاق، جو تواضع اور جو ملنساری دی ہے کسی حکمران میں ہم نے یہ صفتیں نہیں دیکھیں کہ حکمرانی کے بعد وہ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتا یہی انسان کی بڑائی کا راز ہے میں دار العلوم کی مجلس شوریٰ کی طرف سے دل کی گہرائیوں سے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں اور ہمیں امید

ہے کہ آپ ہمیشہ دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ وہی تعلق، وہی محبت جو ہمیشہ سے ہے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کے ساتھ جو عقیدت تھی اور آپ کے والد بزرگوار جناب جسٹس سجاد احمد جان صاحبؒ کا جو تعلق تھا تو ان تعلقات کو انشاء اللہ تعالیٰ برقرار رکھا جائے گا اور آپ کی سرپرستی ہمیں حاصل رہے گی۔

صدر کا خطاب

صدر وسیم سجاد! جناب مولانا سمیع الحق صاحب ومعزز اراکین مجلس شوریٰ دارالعلوم حقانیہ، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب میرے بھائی بھی ہیں میرے دوست بھی ہیں اور آج میرا آنا ان ہی سے ملنے کے لیے تھا میرے لیے یہ بہت خوشی ہے کہ مجھے یہ موقع بھی میسر آیا کہ میں آپ حضرات سے جو کہ اس دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں ان سے ملاقات کا موقع مجھے ملا اس دارالعلوم کے بانی جناب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کو ساری دنیا جانتی ہے میرے والد صاحب کے بھی ان سے تعلقات تھے مولانا صاحب مرحوم کا جو کردار تھا انہوں نے جو کاوش کی ہے اور دین کے لیے جو محنت کی ہے ہر شعبے میں، وہ سب لوگ جانتے ہیں اور ان کا یہ کردار اور مقام، ایک ایسی چیز ہے جس کا میری طرف سے ذکر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا سب لوگ ان کی شخصیت کو تسلیم کرتے ہیں ان کی دینی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور پاکستان کی سیاست میں ان کا جو خاص اور امتیازی کردار رہا ہے اس کو بھی ساری دنیا جانتی اور تسلیم کرتی ہے۔

میں پہلے بھی ایک دفعہ یہاں حاضر ہوا تھا اس دارالعلوم کو دیکھ کر، مجھے بہت خوشی ہوئی ہے اس دارالعلوم کے فضلاء بہت سے اسلامی ملکوں میں، گئے ہیں مختلف شعبہ جات میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں میں ایک بار پھر آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اتنی عزت بخشی اور میری حوصلہ افزائی کی میں شکریہ ادا کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جس طریقے سے دارالعلوم چل رہا ہے اس کو اور ترقی دے مزید کامیابی دے اور یہاں کے جو طلبہ اور فضلاء ہیں اور اس وقت خدمت کر رہے ہیں خدا تعالیٰ انہیں مزید خدمت کا موقع دے۔ بہت بہت مہربانی۔

یہاں سے فراغت کے بعد صدر پاکستان نے حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی معیت میں دارالعلوم حقانیہ کے تمام شعبہ جات کا تفصیلی معائنہ کیا دفاتر ماہنامہ الحق، ترجمان دین، مؤتمر المصنفین، تعلیم القرآن ہائی اسکول ادارۃ العلم و التحقیق دفتر اہتمام، دارالافتاء، طلبہ کے ہاسٹلز اور زیر تعمیر سیمنار ہال اور جدید تعمیر شدہ دارالاقاموں کو دیکھا۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی پھر مولانا سمیع الحق کی قیامگاہ پر کچھ عرصہ مولانا کے ساتھ ہے اہم قومی و ملکی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ یہیں پر حضرت مہتمم صاحب نے انہیں ضیافت دی۔

دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا اجلاس اور میزانیہ ۱۴۱۴ھ

دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس ۷ ر نومبر کو بقیۃ السلف حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب مدظلہ کی صدارت میں دارالعلوم حقانیہ کے کتب خانہ کے وسیع ہال میں منعقد ہوا جناب قاری محمد اخلاق صاحب کی تلاوت کلام پاک سے آغاز ہوا مجلس شوریٰ کی کارروائی کے آغاز ہی میں صدر پاکستان جناب وسیم سجاد بھی آچکے تھے ان کے ساتھ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ پیر صابر شاہ صاحب بھی تھے ابتدائی کارروائی میں دونوں حضرات شریک رہے، اراکین مجلس شوریٰ بھی حسب سابق بھاری تعداد میں شریک ہوئے دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے اپنی افتتاحی تقریر میں دارالعلوم کے سال رواں کی کارگذاری اور بجٹ کے مصارف کی تشریح اور تفصیلی طویل رپورٹ پیش کی

آپ نے فرمایا کہ دارالعلوم کے انتظامی، تعلیمی، تبلیغی، تعمیری اور اشاعتی شعبوں پر اکتیس لاکھ، باسٹھ ہزار دوسو بیالیس روپے اور اکیس پیسے خرچ ہوئے (۵۱-۲۴۲ر ۶۲ر ۳۱) آمدن اور منظور شدہ مصارف کی کمی بیشی پر تفصیلی بحث کے بعد آپ نے سال رواں ۱۴۱۴ھ کے بیالیس لاکھ اٹھارہ ہزار ایک سو روپے پر مشتمل میزانیہ پیش فرمایا جسے اراکین نے آزادانہ اظہار خیال کے بعد متفقہ طور پر منظور کر لیا۔

حضرت مہتمم صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں دارالعلوم کے جدید اور وسیع تعمیری منصوبوں، جدید ہاسٹلز سیمنار ہال اور ٹیوب ویل بلند سطح کی ٹنکی، جن پر بڑی تیزی سے کام جاری ہے کا اجمالی تعارف کرایا اور اس سلسلہ کی آمد مصارف کی تفصیلات سے بھی آگاہ کیا۔

میزانیہ برائے سال ۱۴۱۴ھ مطابق ۹۴-۱۹۹۳ء

مطبخ	۹,۵۰,۰۰۰ —— ۰۰	کرایہ مکانات	۲,۵۰۰ —— ۰۰
ڈاک خرچ	۹,۰۰۰ —— ۰۰	روشنی وفٹنگ	۳,۰۰۰۰۰ —— ۰۰
نقد امداد	۲۰ ۰۰۰ —— ۰۰	اخبارات	۱۰,۰۰۰ —— ۰۰

مد	رقم
اشاعت وطباعت	۲۰,۰۰۰—۰۰
امتحانات	۱۲,۰۰۰—۰۰
باغیچہ واراضی	۱۵,۰۰۰—۰۰
خرید کتب وجلد بندی	۴۰,۰۰۰—۰۰
ماہنامہ "الحق"	۵,۰۰,۰۰۰—۰۰
فتاوی حقانیہ	۵,۰۰۰—۰۰
لاؤڈ سپیکر مرمت وغیرہ	۲,۰۰۰—۰۰
سٹیشنری	۵,۰۰۰—۰۰
تنخواہ مع الاؤنس مدرسین وعملہ	۷,۵۰,۰۰۰—۰۰
تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول	۳,۰۰,۰۰۰—۰۰
سفارت وآمد ورفت	۱,۵۰,۰۰۰—۰۰
واٹر پمپ	۱۰,۰۰۰—۰۰
خریداری سامان ومرمت وغیرہ	۴۵,۰۰۰—۰۰
آب رسائی	۲۰,۰۰۰—۰۰
ٹیلیفون	۶۰,۰۰۰—۰۰
بنک چارج	۵۰۰—۰۰
فیس وفاق المدارس	۵,۰۰۰—۰۰
درس ریکارڈ	۵,۰۰۰—۰۰
سوئی گیس	۶۵,۰۰۰—۰۰
ہنگامی صفائی	۳,۰۰۰—۰۰
تبلیغ مطبوعات مؤتمر المصنفین	۱۰,۰۰۰—۰۰
مسجد خطابت ومؤذن	۱۰,۰۰۰—۰۰
مرمت تعمیرات	۹۵,۰۰۰—۰۰
اخراجات اراضی طورد	۵,۰۰۰—۰۰
صابن	۲۰,۰۰۰—۰۰
لائسنس بندوق	۱۰۰—۰۰
متفرق خرچہ	۳,۰۰۰—۰۰
تجہیز وتلقین	۵,۰۰۰—۰۰
ٹیوب ویل	۲,۰۰,۰۰۰—۰۰
آڈٹ فیس	۶,۰۰۰—۰۰
خرید اراضی	۵,۶۰,۰۰۰—۰۰
میزان	۴۲,۱۸,۱۰۰—۰۰

بعض زیر تعمیر منصوبے

معمول کے اس بجٹ کے علاوہ سینیٹر مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ کے مہیا کردہ بعض وسائل سے سال رواں میں تعمیری منصوبوں پر ایک کروڑ اٹھاون لاکھ پچاس ہزار روپے خرچ ہوں گے جن میں پہلے مرحلہ میں ایک ہزار طلبہ کے لیے پانچ منزلہ ہاسٹل آڈیٹوریم سیمینار ہال دارالحدیث، مدرسین وعملہ کے لیے پچاس مکانات مدرسۃ البنات، ہائی سکول کی توسیع مادر ملتیہ طلبہ کے لیے الگ ہاسٹل واٹر سپلائی سکیم اور واٹر ٹنکی وغیرہ شامل ہیں ان منصوبوں کے تخمینی مصارف پانچ کروڑ کے لگ بھگ ہوں گے جو اللہ کے فضل وکرم اور اہل خیر کی توجہ کے منتظر ہیں۔

وزیر خارجہ فاروق احمد خان لغاری حال صدر پاکستان سابق وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی
نوابزادہ نصر اللہ خان سوڈان کے مذہبی رہنما ڈاکٹر حسن ترابی وزرائے اعلیٰ عرب زعماء اور تبلیغی جماعت کے اکابرین کا ورود مسعود اور حضرت مہتمم سے ملاقات و مذاکرات

☆ ۶ نومبر، سابق وزیر خارجہ سردار فاروق احمد خان لغاری حال صدر پاکستان سابق وزرائے اعلیٰ سرحد جناب آفتاب احمد خان شیر پاؤ، جناب میر افضل خان اور جناب انور سیف اللہ صاحب دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ سے ان کی قیامگاہ پر ملاقات کی ملک کی تازہ ترین سیاسی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا پھر ان کی معیت میں دارالعلوم حقانیہ کے تمام شعبہ جات کا تفصیلی معائنہ کیا۔

☆ ۷ نومبر، تبلیغی جماعت کے عرب زعماء الشیخ محمد بن حمدان جو شیخ زاید النہیان کے داماد اور بھتیجے ہیں اور الشیخ عمر عادل شامی جن کا شمار مدینہ منورہ کے جید فاضل میں ہوتا ہے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ سے دارالعلوم کے کتب خانہ میں ملاقات کی یہیں پر حضرت مہتمم نے انہیں ضیافت دی اہم علمی و دینی اور تبلیغی موضوعات پر سیر حاصل تبادلہ خیال ہوا اس علمی اور روحانی مجلس میں شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید، مولانا مفتی غلام الرحمن، مولانا انوار الحق، مولانا عبدالقیوم حقانی اور دارالعلوم کے دیگر اساتذہ بھی شریک تھے۔

☆ ۵ نومبر بزرگ سیاسی رہنما نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب اور سابق وزیر اعظم جناب غلام مصطفیٰ جتوئی نے اکوڑہ خٹک تشریف لائے متحدہ دینی محاذ کے سربراہ سینیٹر مولانا سمیع الحق سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی اور موجودہ سیاسی صورتحال اور صدارتی انتخابات جیسے اہم امور پر تبادلہ خیال کیا مولانا سمیع الحق نے دونوں مقتدر سیاسی رہنماؤں کا ان کی آمد پر پرجوش خیر مقدم کیا اور دارالعلوم حقانیہ کے نئے زیر تعمیر سیمینار ہال اور ہاسٹلوں کا معائنہ کرایا دونوں رہنماؤں نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے بارہ میں ماہنامہ الحق کے خصوصی شمارہ کے بارہ میں نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔

☆ ۱۶ نومبر سوڈان کے ممتاز سیاسی اور مذہبی رہنما ڈاکٹر حسن ترابی نے مولانا سمیع الحق سے ملاقات کی دنیا بھر کے مسلمانوں کو درپیش مسائل اور چیلنجوں پر تبادلہ خیال کیا ڈاکٹر حسن ترابی نے ملاقات میں اس دعوت کی تجدید کی جو حکومت سوڈان نے کچھ عرصہ قبل مولانا سمیع الحق کو سوڈان کے دورہ کے سلسلہ میں دعوت دی مولانا سمیع الحق نے دعوت قبول کرلی۔ توقع ہے کہ مولانا دسمبر کے پہلے ہفتہ میں سوڈان کا سرکاری دعوت پر دورہ کریں گے اس دوران ۲-۳ دسمبر

کو خرطوم میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل اسلامی کانفرنس میں بھی شرکت کریں گے۔

☆ ۶ نومبر ۱۲ بجے دن، یمن سے تعلق رکھنے والے علماء اور تبلیغی جماعت کے زعماء کا ایک وفد دارالعلوم حقانیہ تشریف لایا، یہاں کے اساتذہ، مشائخ اور طلبہ سے ملاقاتیں کیں ۱۲ بجے دن کے دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سے دفتر اہتمام میں ملاقات کی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے تبلیغی جماعت کی اہمیت ضرورت اور تبلیغی کام، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اس کے اثرات پر گفتگو کی۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے فرمایا دعوت و تبلیغ کا کام بحمداللہ اب عالمی سطح پر پھیل چکا ہے اس کے اثرات پوری دنیا پر ظاہر ہو رہے ہیں آپ اہل عرب ہیں یہ دین کی امانت آپ کی طرف سے ہمیں ملی ہے واقعتہً آپ ہی کی خدمت اور اشاعت کے اہل ہیں ہم سب آپ ہی کی مساعی اور برکتوں سے اس نعمت سے استفادہ کر رہے ہیں یہ امانت بلاد اللہ سے آئی ہے خدا کا فضل ہے کہ تبلیغی جماعت کو اللہ نے عام لوگوں کے مزاج سے موافقت عطا فرمادی ہے اللہ پاک اپنے دین کی خود حفاظت کرتے ہیں مگر وہ لوگ خوش قسمت ہیں جن کو اللہ دین کی خدمت و حفاظت کے لیے منتخب فرماتے ہیں اس امت کی اصلاح بھی اسی طریقہ پر ہوگی جس طریقہ پر سابقین اولین کی اصلاح ہوئی تھی لن یصلح اٰخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا حضرت مہتمم صاحب کے دریافت کرنے پر وفد کے سربراہ نے کہا کہ خدا کا فضل ہے یمن میں تبلیغی کام خوب خوب متعارف ہو رہا ہے پاکستان سے بھی تقریباً گذشتہ پندرہ سال سے جماعتیں آرہی ہیں ہمارے ان رفقاء میں بھی بعض دوسری مرتبہ اور بعض تیسری مرتبہ پاکستان آرہے ہیں۔

یمنی مہمانوں کی صورت، جسامت، ہیئت اور یمن کی معاشی صورت حال کا ذکر ہوا تو حضرت مہتمم صاحب نے ارشاد فرمایا!

ہمارا یہ خٹک علاقہ بھی آپ یمنی حضرات کے علاقہ سے مشابہت رکھتا ہے آپ کی ہماری تہذیب، تمدن معاشی حالات شکل وصورت، جسامت اور روایات قریب قریب ایک ہی ہیں جس طرح آپ حضرات کا معاشی دارو مدار زیادہ تر کھیتی باڑی ہے اسی طرح خٹک علاقہ کا بھی یہی ذریعہ معاش ہے ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰؑ کو اہل شنوئہ سے قرار دیا کانہ من رجال شنوئہ۔ اہل شنوئہ وہی تھے جو جسم میں نحیف اور آپ حضرات کی طرح تمدن و تہذیب والوں سے تھے یمنی لوگ اور ہمارے علاقہ کے لوگ بھی جرأت و ہمت، اور روایات میں اہل شنوئہ ہیں، روایات میں یمنی ایمان و حکمت کی توصیف مذکور ہے الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ۔

وفد کے سربراہ نے رفقاء کا تعارف کرتے ہوئے کہا ہمارے ان رفقاء میں بعض صنعاء بعض حضرموت اور بعض دیگر علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ ابتداء سے ہمارے ہاں کے درس نظامی کے

رجہ اول کے طلبہ گویا مانوس ہوتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں کثرت سے اُن کی امثلہ مذکور ہیں ——— بہر حال ہم آپ کی آمد دارالعلوم میں تشریف آوری پر بڑے خوش ہوئے، طلبہ، اساتذہ آپ سے محبت کرتے ہیں۔
ُ وِنڈ کے تبلیغی اجتماع کا ذکر ہوا تو حضرت مہتمم صاحب نے ارشاد فرمایا یہ اجتماع تاریخ اسلام کا معجزہ ہے جو بغیر وسائل کے ہر سال منعقد ہوتا ہے کہ حکومتیں بھی اس کے انتظام و انصرام سے عاجز ہوتی ہیں تبلیغی جماعت کے اکابر کی بات ہوئی تو فرمایا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کو دارالعلوم حقانیہ سے قلبی لگاؤ تھا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دارالعلوم تشریف لایا کرتے تھے اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق سے قلبی تعلق رکھتے تھے، اس مجلس میں دیگر بہت سے اضیاف کے علاوہ دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا انوار الحق، مولانا عبدالقیوم حقانی اور مولانا سید محمد یوسف شاہ بھی موجود تھے۔

بقیہ صفحہ نمبر ۳۴ سے

انسانی مساوات کا پیام پہنچا دیا۔
تاریخ کی پوری گیارہ صدیاں اس واقعے پر گذر چکی ہیں، اب اسلام بھی اس سرزمین پر ویسا ہی دعوار رکھتا ہے جیسا دعویٰ ہندو مذہب کا ہے اگر ہندو مذہب کئی ہزار برس سے اس سرزمین کے باشندوں کا مذہب رہا ہے تو اسلام بھی ایک ہزار برس سے اس کے باشندوں کا مذہب چلا آتا ہے۔
ہماری گیارہ صدیوں کی مشترک ملی جلی تاریخ نے ہماری ہندوستانی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے تعمیری سامانوں سے بھر دیا ہے، ہماری زبانیں، ہماری شاعری، ہمارا ادب، ہماری معاشرت، ہمارا ذوق، ہمارا لباس، ہمارے رسم و رواج، ہماری روزانہ زندگی کی بے شمار حقیقتیں کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر اس مشترک زندگی کی چھاپ نہ لگ گئی ہو، ہماری بولیاں الگ الگ تھیں مگر ہم ایک ہی زبان بولنے لگ گئے، ہمارے رسم و رواج ایک دوسرے سے بیگانہ تھے مگر انہوں نے مل جل کر ایک نیا سانچہ پیدا کر لیا۔ ہمارا پرانا لباس تاریخ کی پرانی تصویروں میں دیکھا جا سکتا ہے مگر اب وہ ہمارے جسموں پر نہیں مل سکتا، یہ تمام مشترک سرمایہ ہماری متحدہ قومیت کی ایک دولت ہے اور ہم اسے چھوڑ کر اس زمانے کی طرف لوٹنا نہیں چاہتے، جب ہماری یہ ملی جلی زندگی شروع نہیں ہوئی تھی ہم میں اگر ایسے ہندو دماغ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ایک ہزار برس پہلے کی ہندو زندگی واپس لائیں، تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ ایک خواب دیکھ رہے ہیں اور وہ کبھی پورا ہونے والا نہیں۔
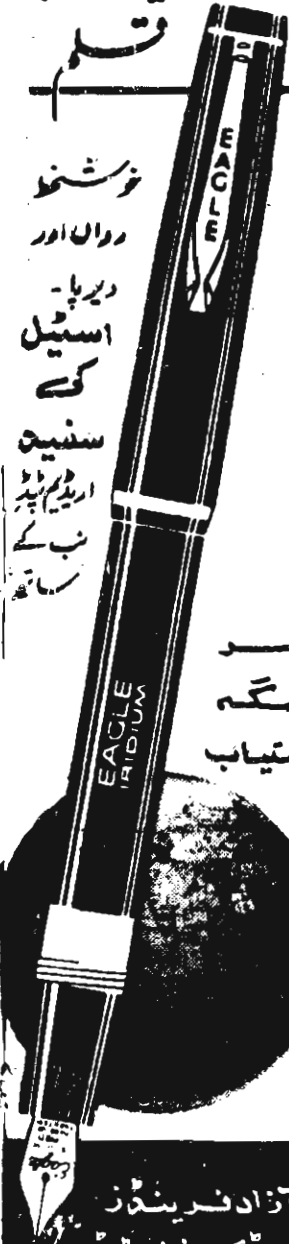
ارشادات: حضرت ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ صاحب

ترتیب: ارشاد الحسن حقانی

مولانا عبدالرزاق سنگین رحمۃ اللہ علیہ"

اکوڑہ خٹک کے ایک درخشندہ، تابندہ، قادر الکلام ادیب، مایہ ناز شاعر اور صاحب ادراک و دانش عالم تھے۔

اکوڑہ خٹک کی مردم خیز زریں سرزمین نے ہمیشہ ہر دور میں نابغۂ روزگار علماء ربانیین، ممتاز محدثین، اجلہ مفسرین، خدا رسیدہ اکابر روحانیین، اسلامی و قومی شعراء سیاسی زعماء اور شہسواران جہاد اور دیگر نامور پیدا کئے ہیں۔ شیخ طریقت اخوند دین بابا ؒ جیسے اولیاء اللہ کے کس قدر کرامات سے یہ خطہ منور ہے جو سالکین روحانیین کے سرتاج شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ کے استاد و مربی تھے پشتو ادب کے عظیم المرتبت شاعر خوشحال خان خٹک اسی خاک کے فرزند ارجمند ہیں۔ تصوف و سلوک کے علمبردار پیر طریقت سید مہربان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی زمین کے چشم و چراغ تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید محقق العصر علامہ مولانا محمد نور المعروف بہ سغروی مولانا) رحمۃ اللہ علیہ،

قاضی لطیف الدین قاضی امین الحق، حضرت بادشاہ گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بڑے بڑے علماء کرام نے اس بستی میں آنکھیں کھولی ہیں۔ بالخصوص فخر المحدثین استاذ العلماء حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ پر اس زمین کو بجا فخر ہے جن کا علمی مقام مثالی زہد و تقویٰ اور جن کے عظیم علمی خدمات کا ثمرہ دارالعلوم حقانیہ جیسی عظیم اسلامی یونیورسٹی کی شکل میں موجود ہے ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے اس بابرکت بستی کے چیدہ اور نامور شخصیتوں کے سنہری کارناموں سے یکسر ناواقف ہیں۔

مرحوم مولانا عبدالرزاق سنگین راقم الحروف کے دیرینہ مخلص ساتھی تھے وہ عمر میں مجھ سے تقریباً سات آٹھ سال بڑے تھے وہ بچپن ہی سے علوم عربیہ کے دلدادہ تھے اور دینی علوم سے بے پناہ محبت کے بنا پر اس نے علوم عربیہ میں وہ مقام حاصل کیا تھا جو ایک قابل فاضل سند یافتہ کا ہو۔ وہ روانی کے ساتھ عربی بول سکتے تھے، فارسی میں تو خصوصی مہارت کے حامل تھے۔ کیونکہ فارسی ادب کی تمام کتابیں انہوں نے اپنی مسجد میں حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ قصابانو حاجی صاحب" سے بار بار پڑھی تھیں جو فارسی ادب میں اونچے درجے کے عالم تھے ہمارے شیخ الحدیث .... اور حضرت بادشاہ گل نے بھی فارسی ادب کی کتابیں مولانا عبدالرحیم صاحب سے پڑھی تھیں۔ بندہ نے بھی نظم کی بعض کتابیں ان سے پڑھیں۔ ان کی مسجد میں ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں، اور فارسی اشعار میں کبھی کبھی بیت بازی کے مواقع بھی سامنے آجاتے تھے انہیں ہزاروں اشعار یاد تھے مسجد قصاباں میں طلباء کا ہجوم ہوتا تھا ہر وقت علمی مسائل پہ گفتگو ہوتی تھی جس سے سنگین صاحب

کی علمی استعداد پختہ ہوگئی تھی ہمارے والد بزرگوار حضرت مولانا سید قدرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ مجلس احرار اسلام کے سرگرم رکن تھے مولانا عبدالرزاق سنگین بھی مجلس احرار اسلام کے شیدائی تھے والد صاحب کے ساتھ ان کے گہرے روابط تھے۔ سنگین صاحب نے مجلس احرار اسلام کے سٹیج سے فتنۂ قادیانیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے وہ اگرچہ مختلف گورنمنٹ سکولوں میں مدرس رہ چکے تھے مگر باوجود سرکاری ملازم ہونے کے انہوں نے کبھی بھی مداہنت سے کام نہیں لیا۔ بلکہ پوری جرأت و بے باکی سے ان جلسوں میں پر جوش تقریریں فرمایا کرتے تھے جو قادیانیت کے رد میں منعقد کئے جاتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دفعہ نوشہرہ صدر کی جامع مسجد میں حضرت مولانا قاضی عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ کے زیر صدارت ایک مشاعرہ ہو رہا تھا جس کا مصرع طرح رحمن بابا علیہ الرحمۃ کا ایک شعر تھا۔

نبوّت پہ محمد باندِ تمام سو   نشتہ پس لہ محمد انبیاء

اس پر بندہ نے بھی ایک قصیدہ لکھا اور سنگین صاحب کو سنایا مرحوم نے میری حد سے زیادہ حوصلہ افزائی فرمائی جب قاضی عبدالسلام مرحوم صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور انہوں نے مطالعہ فرمایا تو فرمانے لگے کہ بہت سخت لکھا ہے میں نے عرض کیا کہ اجازت دے دیں میں قید و بند کے لیے تیار ہوں میں نے علم عروض کے فن تقطیع مرحوم سنگین سے سیکھی۔ ایک دن میں نفحۃ الیمن کے اس شعر کو پڑھ رہا تھا۔

نعق الغراب بما کرہت دوادا لة للقدر   تبکی وأنت قتلتها فاصبر والا فانتحر

سنگین صاحب نے بتایا کہ اس شعر کی تقطیع یوں ہے۔

نَعَقَلْ غُرا۔ بِبِمَا کَرِہ۔ تَوَدَادَا۔ لَتَلِلِ قَدَر۔ تَبکی وَأَن۔ تَقتَل تَہا۔

فَصبِروَاِل۔ لَافَن تَحِر : متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن ،

بس اسی ایک شعر کی تقطیع سے میں نے فن تقطیع سمجھ لیا پھر مجھے علم عروض سیکھنے کی رغبت پیدا ہوئی، سنگین صاحب حضرت شیخ الحدیث صاحب اور دیگر مدرسین حقانیہ کے درس میں شریک رہتے تھے۔

محترم سنگین صاحب فن مناظرہ میں حاضر جوابی میں بے نظیر تھے۔ قوت حافظہ ان کا بہت قوی تھا۔ ایک دفعہ نوشہرہ کے ایک مجسٹریٹ نے ان کو طلب کیا کہ آپ نے فلاں جلسہ میں قادیانیوں کے خلاف تقریر کی ہے۔ مجسٹریٹ اونچی آواز بول رہا تھا تو سنگین صاحب نے کہا کہ سی آئی ڈی کی رپورٹ اسی طرح بے بنیاد ہے جس طرح آپ کو یہ اطلاع دی گئی ہے کہ سنگین صاحب بہرے ہیں اونچا سنتے ہیں مجسٹریٹ نے کہا کہ مجھے تو کسی نے آپ کے بہرہ پن کی اطلاع نہیں دی تو سنگین صاحب نے کہا پھر کیوں آپ اتنی تکلیف فرماتے ہیں اور گرجدار آواز سے بولتے ہیں۔ مجسٹریٹ شرمندہ ہوا۔

وہ مجلس احرار السلام کے رکن تھے مگر انہوں نے جمعیۃ العلماء اسلام کے لیے بھی بڑا کام کیا ہے ۷۰ء میں شیخ الحدیث

مولانا عبدالحقؒ کے انتخابات میں وہ ہمارے ساتھ دن رات شریک رہتے۔ سب سے پہلا دورہ علاقہ نظام پور کا ہم تینوں نے کیا۔ بندہ اور مرحوم سنگین صاحب برادرم حاجی عبدالستار صاحب۔ ہم نے تقریباً ایک ہفتہ نظام پور کے علاقہ میں اہم لوگوں کے ساتھ ملاقاتوں میں گزارا۔ اور ان کو جمعیت کے منشور اور اغراض و مقاصد سے روشناس کیا سب سے پہلے ہم مولوی کرامت اللہ صاحب کے پاس گئے رات ان کے ساتھ گذاری اور تمام رات ان کو جمعیت کے کارناموں اور آئندہ عزائم سے آگاہ کیا۔ پھر اس کے بعد۔

پھر ہم نے اہالیان نوشہرہ کی طرف سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے قومی اسمبلی کی نشست پر نوشہرہ حلقہ سے انتخابات کے لیے کھڑے ہونے کی اپیل تھی۔ جس سے تمام علاقہ میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب انتخابات لڑیں گے۔ حضرت راضی نہیں تھے ان کے خصوصی رفقاء اور دارالعلوم کے اراکین بھی ہماری مخالفت کرتے تھے۔ کہ یہ آسان کام نہیں ہے۔ پھر ہم نے علاقہ بھر کے علماء اور ممتاز شخصیات کا ایک جرگہ جو حضرت کی خدمت میں آئے۔ حضرت نے جرگہ کو مان لیا اور وعدہ فرمایا۔ اس کے بعد انتخابات کی سرگرمیاں تیز تر ہوئیں۔ اور حضرت کے تمام احباب اور دارالعلوم حقانیہ کے اراکین و معاونین اور فضلاء دارالعلوم میدان میں نکلے اور سنگین صاحب پشتو اور ہندکو۔ چار زبانوں کے اچھے شاعر تھے۔ کبھی کبھی فارسی اردو زبان میں بھی شعر گوئی کیا کرتے تھے عربی علوم سے کافی شغف تھا حجۃ اللہ البالغہ۔ فوز الکبیر۔ متنبی۔ حماسہ، مقدمہ ابن خلدون کے بعض مقامات مجھ سے پڑھ لیے تھے، حضرت امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ راولپنڈی میں مجلس احرار اسلام کی ایک کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔ صبح میں اور سنگین صاحب ان کی قیام گاہ پر گئے وہاں کافی علماء موجود تھے۔ باتوں باتوں میں شاہ جی نے مذاقاً فرمایا کہ پشتو بھی کچھ زبان ہے جس کی ابتداء دغا سے ہوتی ہے۔ بات بات پر دغا دغا۔ سنگین صاحب نے کہا ہاں جی، اس دن میں ایک پنجابی عالم کے درس میں بیٹھا تو اس نے کہا کہ اللہ کریم نے قرآن کریم میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اور قرآن مجید سے جو زبان کریم بنائے۔ شاہ جی کافی ہنسے، اور فرمایا سنگین صاحب تو بہت خطرناک مولوی ہے۔

سنگین صاحب طب اور حکمت کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے۔ اس نے پشتو ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ بے سروسامانی کے عالم میں اس نے " درزمہ" ماہنامہ نکالا، اور اس کے .... فرنگی سامراج کے بدترین دشمن تھے۔ وہ ہمیشہ اپنے شاگردوں کو مذہب اسلام کی طرف ترغیب دیتے تھے۔

Safety
instant milk

ٹالرنس: فطرت کا اصول

ٹالرنس (رواداری، برداشت) فطرت کا ایک عالمی اصول ہے۔ شیر اور ہاتھی دونوں انتہائی بڑے جانور ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے حریف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر بھی دونوں ایک ساتھ جنگل میں رہتے ہیں۔ یہ صرف ٹالرنس کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ جنگلوں میں دیکھا گیا ہے کہ ایک طرف سے ہاتھی آ رہا ہو اور دوسری طرف سے شیر چل رہا ہو تو دونوں ایک دوسرے سے الجھے بغیر خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے راستہ پر گزر جاتے ہیں۔ اگر دونوں اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ٹالرنس کا معاملہ نہ کریں تو دونوں آپس میں لڑنے لگیں، یہاں تک کہ دونوں لڑ لڑ کر تباہ ہو جائیں۔

شیر اور ہاتھی کو یہ طریقہ فطرت نے سکھایا ہے۔ اسی طرح انسان کے جسم میں فطرت نے ٹالرنس کا نظام قائم کر رکھا ہے میڈیکل سائنس میں اس کو حیاتیاتی ٹالرنس (BIOLOGICAL TOLERANCE) کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایک جسم حیوانی کی یہ صلاحیت ہے کہ وہ ایک چیز سے برا اثر لیے بغیر اس سے ربط کو یا جسم میں اس چیز کے داخل کیے جانے کو برداشت کرے

IN BIOLOGY, THE ABILITY OF AN ORGANISM TO ONDURE CONTACT WITH A SUBSTANCE OR ITS INTRODUCTION INTO THE BODY, WITHOUT ILL EFFECTS. (X/31)

جسم کی اسی صلاحیت پر امراض کے علاج کا پورا نظام قائم ہے۔ بیماری کے وقت جسم کے اندر ایسی دوائیں ڈالی جاتی ہیں جو مجموعی حیثیت سے جسم کے لیے مضر ہیں۔ مگر جسم خارجی چیزوں کے معاملہ میں اپنی ساری حساسیت کے باوجود، ایسی دواؤں کو برداشت کرتا ہے کہ یہ دوائیں جسم میں داخل ہو کر اپنا اثر دکھائیں۔ وہ جسم کے دوسرے اعضاء پر برا اثر ڈالے بغیر اس کے بیمار عضو پر عمل کر کے اس کو اچھا کر سکیں۔

ٹالرنس کا یہی طریقہ انسانی سماج میں بھی مطلوب ہے۔ جنگل کے جانور جو کچھ اپنی جبلت (INSTINCT) کے تحت کرتے ہیں اور انسانی جسم جو کچھ اپنی فطرت کے تحت کرتا ہے وہی عمل انسان کو اپنے شعور کے تحت کرنا ہے۔ اس کو اپنے سوچے سمجھے فیصلہ کے تحت ٹالرنس کا طریقہ اختیار کر کے دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔

جب بھی زیادہ لوگ ساتھ مل کر زندگی گزاریں گے تو ان کے درمیان شکایت اور اختلاف کے واقعات بھی ضرور پیدا ہوں گے۔ ایسا ایک گھر کے اندر ہوگا۔ سماج کے اندر ہوگا، پورے ملک میں ہوگا، اور اسی طرح بین الاقوامی زندگی میں بھی ہوگا۔ انسان خواہ جس سطح پر بھی ایک دوسرے سے ملیں اور تعلقات قائم کریں، ان کے درمیان ناخوشگوار واقعات کا پیش آنا بالکل لازمی ہے ایسی حالت میں کیا کیا جائے۔ ٹالرنس اسی سوال کا جواب ہے۔ ایسی حالت میں ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے ساتھ رواداری اور برداشت کا معاملہ کرے۔ مل جل کر زندگی گزارنے اور مل جل کر ترقی

کرنے کی یہی واحد قابل عمل صورت ہے۔ اس اسپرٹ کے بغیر انسانی تمدن کی تعمیر اور اس کی ترقی ممکن نہیں۔

ٹالرنس کوئی انفعالی رویہ نہیں، وہ عین حقیقت پسندی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی کے لیے زیادہ بہتر چوائس (CHOICE) لینے کا موقع تھا اور اس نے پست ہمتی کی بنا پر ایک کمتر چوائس کو اختیار کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں اس کے سوا کوئی اور چوائس ہمارے لیے ممکن ہی نہیں۔ ٹالرنس ہماری ایک عملی ضرورت ہے نہ کہ کسی قسم کی اخلاقی کمزوری۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک صورت حال کو اپنے لیے ناخوش گوار پا کر اس سے لڑنے لگتا ہے۔ اور بالآخر تباہی سے دوچار ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی نے اپنی کوتاہ نظری کی بنا پر یہ سمجھا کہ اس کیلئے انتخاب خوش گوار اور ناخوش گوار کے درمیان ہے۔ وہ ناخوش گوار سے لڑ گیا تاکہ خوش گوار کو حاصل کر سکے۔

حالانکہ نتیجہ نے بتایا کہ اس کے لیے انتخاب خوش گوار اور ناخوش گوار کے درمیان نہیں تھا۔ بلکہ اس کے لیے انتخاب ناخوش گوار اور تباہی کے درمیان تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کیلئے انتخاب خوش گوار اور ناخوش گوار کے درمیان ہو۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ اس کے لیے انتخاب کم ناخوش گوار اور زیادہ ناخوش گوار میں ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں عقل مندی یہی ہے کہ آدمی زیادہ ناخوش گوار سے بچنے کے لیے کم ناخوش گوار پر راضی ہو جائے۔

بیشتر انسان اسی غلط فہمی کا شکار ہو کر اپنے کو برباد کرتے رہتے ہیں۔ وہ ایک اقدام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کا اقدام ناپسندیدہ صورت حال کو ہٹا کر پسندیدہ صورت حال کو لانے کیلئے ہے۔ مگر جب موجودہ صورت حال ختم ہو جاتی ہے تو انکو معلوم ہوتا ہے کہ نئی صورت حال میں وہی ناخوش گواری زیادہ بڑی مقدار میں ہے جسکی کم مقدار کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنا اقدام کیا تھا

ٹالرنس اسی حکمت کا نام ہے۔ اس دنیا میں برداشت کرنا آدمی کو زندگی کی طرف لے جاتا ہے اور بے برداشت ہو جانا صرف موت کی طرف۔

ٹالرنس کا طریقہ ہم کو فرصت عمل دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ ہم ناموافق حالات سے ایڈجسٹ کر کے اپنے لیے وہ موقع حاصل کریں جب کہ ہم اپنی زندگی کا سفر معتدل طور پر جاری رکھ سکیں۔ اس کے برعکس اگر ہم ٹالرنس کو چھوڑ دیں اور جو چیز بھی ہم کو ناموافق نظر آئے اس سے لڑنے لگیں تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ ہم ایک چیز کو "برائی" کے نام سے ختم کریں گے، صرف اس لیے کہ اس کے بعد ایک اور شدید تر برائی میں اپنے آپ کو مبتلا کر لیں۔

شیر اور ہاتھی اگر ایک دوسرے کو گوارا نہ کریں تو دونوں اپنی موت کو دعوت دیں گے۔ مگر جب وہ ایک دوسرے کو گوارا کرتے ہیں تو دونوں اپنے لیے زندگی کا موقع پا لیتے ہیں۔ یہ ٹالرنس کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔ ٹالرنس آپ کو فرصت عمل دیتا ہے۔ وہ آپ کو کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اور اس دنیا میں بلاشبہ سب سے بڑی چیز فرصت عمل سے محرومی ہی کا نام بربادی ہے۔ اور فرصتِ عمل کو پا کر اس کو استعمال کرنے ہی کا نام کامیابی۔

قارئین — بنام — مدیر

افکار و تاثرات

- صومال کے مظلوم مسلمانوں کا پیغام / حرکتہ الانصار
- محکمہ تعلیم کے اعلیٰ افسران توجہ کریں / مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی
- درگاہ حضرت بل کی عظیم مسجد / مولانا محمد عمر حیات ڈیروی
- الحق کے مضامین اور قارئین کے تاثرات / مولانا فضل غنی، مولانا عطاء اللہ

صومال کے مظلوم مسلمانوں کا درد بھرا پیغام

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ امریکہ کی ظالم افواج اور اس کے نام نہاد مسلمان اتحادی گذشتہ کئی مہینوں سے صومال میں ظلم و ستم کی بھیانک داستان رقم کر رہے ہیں اس مختصر سے عرصے میں صومال کے مسلمان ہزاروں لاشیں اٹھا چکے ہیں اور سینکڑوں عصمتوں کے لٹنے کا ماتم کر چکے ہیں۔

اقوام متحدہ کے کفریہ ذرائع ابلاغ دنیا کو یہ بتا رہے ہیں کہ امریکہ کی فوجیں صومال میں امن قائم کرنے اور بھوکوں کو غذا پہنچانے کے لیے اتری ہیں حالانکہ یہ تاریخ کا بدترین جھوٹ ہے امریکہ اور اس کے اتحادی صومال کے قیمتی معدنیات اور وافر مقدار میں حال ہی میں برآمد ہونے والے پیٹرول کو لوٹنے کے لیے ہماری دھرتی پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں اور اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو بیدردی سے کچل رہے ہیں اپنے جھوٹے پروپیگنڈے کو سچ ثابت کرنے کے لیے بھوک اور افلاس کو پھیلا رہے ہیں آج صومال کے معصوم مسلمان بچے طاغوت اکبر امریکہ کے مظالم کا نشانہ بنے ہوئے پورے دنیا کے مسلمانوں کو مدد کے لیے پکار رہے ہیں۔

صومال کی مسلمان بچیاں حیران ہیں کہ ان پر ظلم ڈھانے والے صرف امریکی نہیں بلکہ امریکہ کے اشارے پر مسلمان ممالک کے فوجی خصوصاً پاکستانی فوج بھی ان پر مظالم ڈھا رہی ہے۔ ہم پاکستان کے غیور علماء کو یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس کر رہے ہیں کہ صومال کے نامور بڑے علماء نے متفقہ طور پر امریکی افواج کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کر دیا ہے اور صومال کے غیور مسلمان علماء کے اس فتوے کی روشنی میں مسلح جہاد کا آغاز کر چکے ہیں اور ہمارا عزم ہے کہ ہم انشاء اللہ ناپاک امریکہ کو وہ مزہ چکھائیں گے کہ وہ ویت نام کے زخم بھول جائے گا ہمیں اپنے رب پر مکمل بھروسہ ہے اور اسی کے بھروسے پر ہم نے اپنے کام کا آغاز کر دیا اور ہمیں یقین ہے کہ ہمارا رب ہمیں اکیلا نہیں چھوڑے گا بلکہ اس نازک موڑ پر ہماری نصرت کرے گا اور ہم اپنے رب کی نصرت سے امریکہ کو تہس نہس کر دیں گے اور اسے وہ سبق سکھائیں گے جو روس کو افغان مجاہدین نے سکھایا بلکہ امریکہ کا حشر

انشاء اللہ سوویت یونین سے بھی بدتر ہوگا۔

آج جب کہ صومال کے مسلمان اپنے مقتدر علماء کی قیادت میں متحد ہو کر امریکہ کے خلاف میدان میں اتر چکے ہیں تو اس وقت ان کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ پاکستان کی مسلح افواج ہیں جو صومال میں امریکی فوجوں کے لیے ڈھال بنی ہوئی ہیں اور بزدل امریکی پاکستان افواج کو اپنے سامنے رکھ کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں۔

ہم قطعی طور پر یہ گوارہ نہیں کرتے کہ ہمارے گولوں اور گولیوں کا ہدف پاکستانی بنے جو کہ مسلمان ہیں اور جنہیں اب تک ہم اپنی قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ پاکستان کے حکمرانوں نے امریکہ کی خوشنودی اور چند ڈالروں کے عوض پاکستان کی مسلمان فوج کو صومال کے مسلمانوں کے قتل عام کے لیے بھیج دیا ہے۔ ہم اپنی طرف سے صومال کے یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کی طرف سے پاکستان کے معزز علماء کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے پاکستان کی حکومت کو اس پر آمادہ کریں کہ فوری طور پر صومال سے پاکستانی افواج کو واپس بلائے اور مسلمانوں کے قتل عام سے انہیں باز رکھے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہماری اس درد بھری دعوت پر پاکستان کے علماء لبیک کہیں گے اور حکومت پاکستان کو مجبور کریں گے کہ وہ اپنی فوجوں کو فوری واپسی کے احکام جاری کرے تاکہ امریکہ اس میدان میں ہمارے سامنے اکیلا رہ جائے اور ہم ڈٹ کر اس کا مقابلہ کر سکیں۔ الحمد للہ ہم مسلح اسلامی جہاد شروع کر چکے ہیں جو امریکہ کی بربادی تک کامیابی سے جاری رہے گا (انشاء اللہ) (مرسلہ حرکۃ الانصار)

محکمۂ تعلیم کے اعلیٰ افسران توجہ کریں

جماعت نہم کی انگلش کتاب کا اردو ترجمہ شائع کردہ تعلیمی کتب خانہ ، ۱۱ اردو بازار لاہور ہمارے سامنے ہے اس کتاب کی ابتداء میں ایک مضمون بعنوان "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" شائع ہوا ہے اس مضمون کا حصہ دوم صفحہ نمبر ۱۲ سے شروع ہوتا ہے اس حصہ میں مصنف نے آنحضرتؐ کے سفر ہجرت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

"وقت گزرتا چلا گیا اہل قریش کی دشمنی اور بڑھ گئی۔ مسلمانوں کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر جائیں۔ ابوجہل اور دوسرے اسلام دشمن لوگوں نے نبی اکرمؐ کو قتل (نعوذ باللہ) کرنے کا منصوبہ بنایا ایک رات وہ نبی اکرمؐ کے گھر کے باہر کھڑے ہو گئے انہوں نے صبح ہونے تک انتظار کیا اور گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ لیکن ان کی حیرانی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے حضرت علیؓ کو نبی اکرمؐ کا چوغہ پہنے نبی اکرمؐ کے بستر میں سوتے پایا نبی اکرمؐ نے ایک غار میں پناہ لی قریش والوں

نے آپ کا پیچھا کیا اور کئی گھنٹے تک غار کے باہر کھڑے رہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کو بچانا تھا غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا بن دیا تھا اور ایک جنگلی فاختہ نے گھونسلے میں انڈے دے دیئے تھے مکہ میں واپس آکر نبی اکرمؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امانتیں واپس کرنے کے لیے مکہ میں چھوڑ دیا تھا جو کہ آپ کے مخالفین نے آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔"

سفرِ ہجرت کے اس مضمون نگار نے جنگلی فاختہ کا ذکر کیا۔ مکڑی کے جالے کا تذکرہ ہوا۔ امانتوں کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکرِ جمیل بھی کیا گیا۔ مگر اس شخصیت کا ذکر نہیں ہوا جس شخصیت کے بغیر سفرِ ہجرت کا تذکرہ ادھورا رہ جاتا ہے ...... جسے قرآن نے ثانی اثنین کہا ہے جن کا ذکر اذھما فی الغار کے لفظوں سے ہوا ...... جس کو اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ کی مالا پہنائی گئی ...... جو سفرِ ہجرت میں نبوت کی سواری بن گیا۔ جس نے غارِ ثور میں نبوت کو اس طرح گود میں سلایا جس طرح رحل پر قرآن کھلا ہوتا ہے۔ جس کو لَا تَحْزَنْ کہہ کر نبوت نے تسلی دی۔ جو اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کا مصداق بنا۔ جس کی بیٹی (اسماءؓ) غار کا دشوار ترین سفر طے کر کے نبوت کو کھانا کھلاتی رہی جس کا غلام پہاڑوں کی بلندیوں پر نبوت کو تازہ دودھ فراہم کرتا رہا۔ جس کا بیٹا کفارِ مکہ کی خفیہ ڈائری روزانہ نماز میں پہنچاتا رہا

ہاں ہاں اس مضمون نگار نے سفرِ ہجرت کی بات میں اگر کسی شخصیت کا تذکرہ نہیں کیا تو وہ صدیق اکبرؓ ہے جس کی وفاشعاری آج بھی یارِ غار کا جامہ پہن کر ضرب المثل بن گئی ہے ...... جس کے گھر اس روز نبوت چل کے آئی تھی اور بحکم خدا رفیقِ سفر بنایا تھا۔

محکمۂ تعلیم کے ذمہ دار افراد بتائیں! یہ ظلم کیوں ہو رہا ہے۔ کون کر رہا ہے۔ اور کس کے اشارے پر ہوتا رہا ہے۔ دو فیصد اقلیت یہ میٹھا زہر لاشعوری طور پر ہمارے نونہال بچوں کے ذہن میں کیوں اتار رہی ہے۔ ہماری تاریخ مسخ کر کے ہمارے عقائد و نظریات کا قتل کس کے اشارے پر ہو رہا ہے؟

ہماری نسل کو محسنینِ اسلام کے کارناموں سے بے خبر رکھنے کے لیے یہ کھیل کون کھیل رہا ہے اور کیوں کھیل رہا ہے۔ (مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی)

درگاہ حضرت بل کی عظیم مسجد

یہ ظلم و جبر کی سوغات رنگ لائے گی	یہ خاک و خون کی برسات رنگ لائے گی
یہ قتل ہوتی مساوات رنگ لائے گی	سنو! یہ تلخیٔ حالات رنگ لائے گی

یہ میرا خون شہادت ہے رنگ لائے گا
زمینِ ہند پہ "اسلام" لہلہائے گا"

سنو سنو میری، اے حلقۂ ستم ایجاد | خدا کا ہے «وَسَعیٰ فِی خَرَابِھَا، ارشاد»
تمہارے ہاتھوں نے جس پل کیا مجھے برباد | یہاں پہ دینِ محمد کی ڈال دی بنیاد

«ہر ایک مونس و دمساز ہونے والا ہے»
«یہاں پہ دین کا آغاز ہونے والا ہے»

بتاؤں دل میں تمہارے ہیں تلخیاں کتنی؟ | مجھے گرا کے اُجاڑو گے بستیاں کتنی؟
اڑائیں تم نے ہیں آئین کی دھجیاں کتنی؟ | لکھے گا وقت مرے خون سے سرخیاں کتنی؟

«مٹاؤ شوق سے انسانیت کی فصلوں کو»
«میں دوں گی نورِ ہدایت تمہاری نسلوں کو»

فرزندانِ توحید سے:

خوشی مناؤ مزاروں کو چھوڑنے والو | خدا کے حکم سرِ عام چھوڑنے والو
مرے وجود سے رُخ اپنا موڑنے والو | وفا کے خون سے دامن نچوڑنے والو

«تمہاری» خوئے تغافل «پہ آج روتی ہوں
«خوشی مناؤ کہ میں بھی شہید ہوتی ہوں»
(مرسلہ مولانا محمد عمر حیات ڈیروی)

خصوصی اشاعت اور الحق کے مضامین پر تاثرات

* «الحق» «شیخ الحدیث نمبر» کا روز انتظار رہتا تھا الحمد للہ تین چار روز قبل پہنچ گیا جزاک اللہ مطالعہ شروع کر دیا فوری طور پر جو بات محسوس ہوئی ہے یہ ہے کہ ایک جگہ اتنا مواد مختلف عنوانات پر آج جمع ہو گیا کہ اس کو سامنے رکھ کر کوئی جودتِ طبع رکھنے والا انسان کئی کتابیں تیار کر سکتا ہے ماشاء اللہ بہت محنت کی ہے اور قائد شریعت کی ایک ایسی دستاویز سامنے آگئی ہے کہ جس کے سینکڑوں رخ ہیں اور ہر جہت و رخ بہت شاندار و وقیع ہے۔ (مولانا عبدالرشید ارشد)

* الحق ماہ جون محرم وصول ہوا تحریک پاکستان میں علماء کا کردار کے عنوان سے مضمون پڑھا اس میں شک نہیں اگر دیوبندی علماء کرام و اکابرین اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیتے تو پاکستان کا حصول ناممکن تھا۔ مگر ساتھ صاحب مضمون نے اُن اکابر پر دبے الفاظ میں تنقید بھی کی ہے جنہوں نے پاکستان کے حصول کے لیے راستہ ہموار کیا اور انگریز کو ہندوستان چھوڑ دو کا نعرہ لگایا۔ صاحب مضمون کی حضرت شیخ الہندؒ تک آکر پھر زبان گونگ ہو گئی کہ مفتی ہند۔ اور شیخ العرب والعجم اور مجاہد ملت اور سحبان الہند اور امیر شریعت بخاری اور شیخ التفسیر وغیرہ اور خطیب پاکستان کا نام تک نہیں لیا۔ (مولانا فضل غنی فاضل دیوبند)

مولانا سمیع الحق، مولانا عبدالمعبود

تعارف و تبصرہ کتب

اسلامی سیاست

از مولانا عبدالقیوم حقانی، صفحات ۳۰۲۔ قیمت ۔ ۹۰ روپے ۔
ناشر! ادارۃ العلم والتحقیق، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ۔

موجودہ دور فساد اور زمانہ سیاست و الحاد میں دین اسلام کے تعلیمات کی تبلیغ و ترویج، اسلامی احکام کا عملی نفاذ اور شریعت مطہرہ کا قانون کیسے جاری ہو مغرب زدہ اجتماعی زندگی، دہریت زدہ معاشرہ اور متعفن سیاسی فضا میں اسلامی سیاست کے رہنما خطوط اور انقلابی خدوخال کیا ہیں؟ زندگی کے مختلف شعبوں میں نت نئے پیدا ہونے والے مسائل کا اسلام نے کیا حل پیش کیا ہے؟ عزیزم مولانا عبدالقیوم حقانی بعض اہم اور ضخیم سلسلہ ہائے تحقیق و تصنیف، تازہ ترین پیش آمدہ ضروری مسائل اور متعدد و جدید ترین عنوانات ان موضوعات پر بھی گذشتہ آٹھ دس سال سے بڑی تحقیق اور بسط و تفصیل سے لکھ رہے ہیں " اسلامی سیاست اور اس کے انقلابی خدوخال " اسی سلسلہ ہائے مضامین کا مجموعہ ہے جس میں مصنف نے مسلمانوں کو ہر شعبہ زندگی میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو اپنانے کی مخلصانہ دعوت اجابت دی ہے تاکہ نفاذ شریعت کی ترویج اس میں ہو جائے جو مسلمانوں کا اصل مقصود زندگی ہے کفار گیہان کی دسیسہ کاریاں، معاندین کی ابلہ فریبیاں، دشمنان اسلام کی تخریب کاریاں اس کتاب میں وضاحت و صراحت سے نوک قلم سے زینت قرطاس پر منتقل کی گئی ہیں تاکہ ہر صاحب ایمان اپنے دامن ایمان اور دامن اسلام کو ان سے محفوظ و مصئون رکھ سکے یہ کتاب واقعتہً اس دور ظلمہ میں مسلم اعیان و زعماء بلکہ ہر مسلمان کے لیے روشن چراغ ہے (عبدالمعبود)

تلبیسی جرائم

تالیف مولانا اظہار الحق حقانی، صفحات ۱۹۰ قیمت ۶۰ روپے
ناشر! مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ سرحد

موجودہ معاشرہ میں جہاں دوسرے بے شمار عیوب پرورش پا رہے ہیں وہیں تلبیس و تزویر یا بالفاظ دیگر فراڈ اور دغا بازی جیسے مہلک اور بدترین برائی بھی ہے جو عام ہو گئی ہے......

موجودہ دور اس اعتبار سے خاصا پیچیدہ اور مشکل دور ہے۔ ایسے میں ہر انسان اور خصوصاً مسلمان اس دور کے تغیرات، تضادات اور اثرات بد سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ یوں اس دور کا انسان ہر اعتبار سے تلبیس و تزویر اور جرائم و معاصی کے گرداب میں کچھ اس طرح پھنس گیا ہے کہ اس سے نکلنے کی کوئی ظاہری سبیل نظر نہیں آتی۔ عصر حاضر میں ان تلبیسی ذرائع کا تعین اور انسانی معاشرہ سے تحفظ کے لیے انسداد کے طریقوں کا سمجھنا وقت کی اہم ترین ضرورت تھی لیکن اسلامی قانون کی

روشنی میں ایسے مسائل پر بحث و تحقیق کے لیے اسلامی علوم میں مہارت کے علاوہ عصری علوم پر گہری نظر کی بھی ضرورت تھی تاکہ قدیم جدید اصطلاحات کی روشنی میں ٹھوس اقدامات سامنے آسکیں۔

بحمداللہ برادرم پروفیسر مولانا اظہار الحق نے ان اوصاف سے موصوف ہوتے ہوئے معاشرہ کی اس بنیادی برائی کے خلاف قلم اٹھا کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے اور قوم و ملک کی زبردست خدمت انجام دی ہے۔ زیر نظر کتاب میں ان جرائم کی نشاندہی کی گئی ہے جو نہ صرف انسانیت کے منافی ہیں بلکہ اس قسم کے جرائم سے شرف انسانیت کا دامن تار تار ہو جاتا ہے۔

فاضل مصنف نے انتہائی عرق ریزی، دیدہ وری اور محنت سے یہ مقالہ تیار کیا ہے جس کے لیے انہوں نے ہزارہا صفحات کھنگال ڈالے اور درجنوں کتب کی ورق گردانی کی لیکن کمال ہوشیاری سے موضوع سے غیر متعلق ابحاث سے گریز کیا ہے۔ بندہ کی نظر میں یہ اردو کی پہلی شاہکار کتاب ہے جس میں یکمشت تلبیسی جرائم کے بارے میں جدید اصول تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے اتنا کثیر اور وافر مواد جمع کیا گیا ہے اور یوں اس لحاظ سے آپ کا یہ مؤثر مقالہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔

فاضل مؤلف دارالعلوم حقانیہ کے روحانی فرزند ہیں اور آپ کے والد محترم جناب مولانا فضل الٰہی صاحب المعروف بہ شاہ منصور صاحب حق صاحب بیان مادر علمی دارالعلوم حقانیہ میں اعلیٰ کتب کی تدریس فرما رہے ہیں اس لیے مجھے ذاتی طور پر آپ کی اس علمی کاوش پہ انتہائی خوشی محسوس ہو رہی ہے گوکہ ایک لحاظ سے زیر نظر کتاب آپ کی اولین تصنیف ہے لیکن خداداد صلاحیت کی وجہ سے ایک کہنہ مشق ادیب اور صاحب طرز انشاپرداز کی تصنیف معلوم ہو رہی ہے۔ مسائل حاضرہ پر حاوی نظر، طرز ادا نہایت شگفتہ رائے اور تبصرہ نہایت صائب، تنقید نہایت مہذب، اسلامی معلومات بہت کافی، بیان بصیرت افروز غرض یہ کہ کتاب کے جس موضوع کو بھی دیکھا نہایت ہی مشبع پایا۔

کتاب خود بھی معلومات اور نکھرے ہوئے افکار سے لبریز ہے اور دوسروں کے لیے بھی انشراح کا ذریعہ بنتی ہے۔

فاضل مصنف کے قلم کی بہار و شباب اگر اس طرح قائم رہی تو بہت جلد محققین مصنفین میں آپ کا نام شمار ہوگا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس جواں سال فاضل کی اس کاوش کو ملک و قوم کے لیے نافع بنادے اور تلبیس و تزویر جیسی برائی میں مبتلا لوگوں کو اس کے مطالعہ سے ہدایت و رہبری نصیب ہو۔ آمین۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

(سمیع الحق)

رسائل الرشید تالیف: حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صفحات ۲۰۳ قیمت۔ درج نہیں۔
ناشر: المکتبۃ حلیمیہ، متصل جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ۱۶

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ علمی و دینی اور روحانی حلقوں میں ایک جید عالم دین، محقق

مفتی، اور ایک شفیق روحانی مربی کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں ان کا نام آتے ہی، اخلاص، سوز و گداز، تعلیم و تدریس، فقہ و افتاء، تصنیف و تالیف بحث و تحقیق، اصلاح ظاہر و باطن، احقاق حق اللہ تعالیٰ کے دین کی خیر خواہی اور تبلیغ و مدافعت کا روشن تصور مجسم ہو کر سامنے آجاتا ہے "رسائل الرشید" موصوف کی تازہ تالیف ہے مختلف اوقات میں متنوع مشکل مسائل اور حوادث جدیدہ پر آپ نے مفصل رسائل لکھے بعض اوقات پیش آمدہ اہم ترین مسئلہ پر آپ کے زیر نگرانی درجہ تخصص کے طلبہ نے تفصیلی تحریریں لکھیں جو آپ کی تصنیف کردہ احسن الفتاویٰ میں شریک ہوتے رہے ضرورت تھی کہ بحالات موجودہ ہمہ وقتی ضرورت کے مسائل والے رسائل کو ان کی مستقل افادیت اور اہمیت کے پیش نظر علیحدہ کتابی صورت میں مرتب کرکے شائع کیا جائے تو نفع عام اور تام ہو برادرم حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری جو خود بھی صاحب قلم اور دسیوں کتابوں کے مصنف ہیں آگے بڑھے اور حسب ضرورت قتل مرتد، کاغذی نوٹ، ٹی وی موسیقی، مجالس ذکر، پراویڈنٹ فنڈ مشینی ذبیحہ، عورت کی دیت جیسے ۲۰ سے زائد مضامین کو رسائل الرشید کے نام سے مرتب کرکے علمی و دینی حلقوں اور ارباب ذوق کی خدمت میں پیش کر دیا کاغذ کتابت، طباعت اور جلد بندی دیدہ زیب، خوبصورت اور ہر لحاظ سے معیاری، دینی کتابوں کی طباعت میں مکتبہ علمیہ کا معیار بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے یہ سب کچھ مولانا شیخوپوری کی جدت پسندی اور حسن ذوق کا مرہونِ منت ہے مرداں چنیں مے کنند، یقیناً قارئین اس نادر علمی کاوش کی قدر کریں گے۔ (عبدالقیوم حقانی)

REGD. NO. F-90
AL-HAQ
فرمانِ رسول..
حضرت علی ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔
"جب میری اُمّت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔"
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:
جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔
امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے۔
زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے۔
بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
مساجد میں شور مچایا جائے۔
قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
مرد ابریشم پہننیں۔
آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے
رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔
تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی۔ باب علامات الساعۃ)
— منجانب —
داؤد ہرکولیس کیمیکلز لمیٹڈ